سورة الحديد

(آیاتہا ۲۹) (۵۷ سورۃ الحدید مدنیۃ ۹۴) (رکوعاتہا ۴)

تمام کے قول میں یہ سورت مدنی ہے، اس کی انتیس آیات ہیں۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے مسبحات سورتیں پڑھا کرتے تھے (1)، ان میں ایک ایسی آیت ہے جو ہزار آیتوں پر فضیلت رکھتی ہے۔ مسبحات سورتوں سے مراد سورۃ الحدید، سورۃ الحشر، سورۃ الصف، سورۃ الجمعہ اور سورۃ التغابن ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ۚ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ② هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ ۚ وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ③

"اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہی ہے ہر چیز جو آسمان اور زمین میں ہے اور وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے اسی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی، وہ زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے اور ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے۔ وہی اول، وہی آخر، وہی ظاہر، وہی باطن ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے"۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اللہ تعالیٰ کی بزرگی بیان کی اور ہر عیب سے اس کی پاکی بیان کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آسمانوں میں جو کچھ ہے یعنی فرشتے اور زمین میں جو کچھ ہے جس میں روح ہو یا نہ ہو اس نے اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کا اظہار کیا اور نماز پڑھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد تسبیح دلالت ہے۔ زجاج نے اس کا انکار کیا اور کہا: اگر مراد تسبیح دلالت اور صنعت کے آثار کا ظہور تھا تو یہ ایسی چیز تھی جس کو عقل میں سمجھنا تھا تو یہ کیوں فرمایا: وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (الاسراء: 44) یہ تسبیح قول ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا گیا ہے: وَّ سَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ (الانبیاء: 79) اگر یہ تسبیح دلالت تھی تو حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے کیا تخصیص ہو گی؟

میں کہتا ہوں: انہوں نے جو ذکر کیا ہے وہ صحیح ہے۔ اس کے بارے میں گفتگو سبحان میں اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (الاسراء: 44) کے ضمن میں گزر چکی ہے۔ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت صرف اس کے لیے ہے۔ ملک سے مراد ملکیت اور امر

1۔ جامع ترمذی، فضائل القرآن، جلد 2، صفحہ 116

کا نافذ ہونا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات ملک، قادر اور غالب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد بارش، نبات اور تمام رزق کے خزانے ہیں۔

یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ وہ دنیا میں زندوں کو مارتا ہے اور مردوں کو دوبارہ اٹھانے کے لیے زندہ کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ نطفہ کو زندہ کرتا ہے جب کہ وہ مردہ ہوتا ہے اور زندوں کو موت عطا کرتا ہے۔ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ محل رفع میں ہے تقدیر کلام یہ ہے ھو یحیی و یمیت۔ یہ بھی جائز ہے کہ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ محل رفع میں ہے، تقدیر کلام یہ ہے ھو یحیی و یمیت۔ یہ بھی جائز ہے کہ محییا و ممیتا کے معنی میں حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یہ لہ کی ضمیر سے حال ہے اور جار اس میں عامل ہے۔ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ اسماء کے معانی میں اختلاف ہے ہم نے انہیں الکتاب الاسنی میں بیان کر دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ایسی وضاحت فرمائی ہے جو ہر قول سے غنی کر دیتی ہے (1)۔ صحیح مسلم میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے۔ ''اے اللہ! تو اول ہے تجھ سے قبل کوئی چیز نہیں، تو آخر ہے تیرے بعد کوئی چیز نہیں، تو ظاہر (غالب) ہے تیرے اوپر کوئی چیز نہیں، تو باطن ہے تجھ سے دور کوئی چیز نہیں ہمارے قرضوں کو ادا کرنے کے اسباب پیدا فرما اور ہمیں فقر سے غنی کر دے''۔ یہاں ظاہر سے مراد غالب ہے اور باطن سے مراد عالم ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ یعنی جو کچھ ہونے والا ہے اور جو کچھ بعد میں ہوگا ان میں سے کوئی چیز اس پر مخفی نہیں۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ؕ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَ مَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَ مَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَ هُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ یُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ؕ وَ هُوَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

''وہی ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پھر متمکن ہوا تخت حکومت پر، وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اس کی طرف عروج کرتا ہے، اور وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی تم ہو اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو (اسے) خوب دیکھنے والا ہے اسی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی، اور اللہ کی طرف ہی سارے کام لوٹائے جائیں گے، داخل فرماتا ہے رات (کا کچھ حصہ) دن میں اور داخل کرتا ہے دن (کا کچھ حصہ) رات میں اور وہ خوب جانتا ہے جو سینوں میں (پوشیدہ) ہے''۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ، ما یقول عند النوم، جلد 2، صفحہ 348

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ اس کی وضاحت سورۃ الاعراف میں مفصل گزر چکی ہے۔

یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ یعنی بارش وغیرہ (1) جو زمین میں داخل ہوتی ہے وَ مَا یَخْرُجُ مِنْهَا مراد نباتات وغیرہ ہے (2)۔ وَ مَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ یعنی رزق، بارش اور فرشتے۔ وَ مَا یَعْرُجُ فِیْهَا جو آسمانوں کی طرف بلند ہوتے ہیں جیسے فرشتے اور بندوں کے اعمال۔ وَ هُوَ مَعَكُمْ یعنی اپنی قدرت، سلطان اور علم کے ذریعے تمہارے ساتھ ہے۔ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال دیکھتا ہے اور اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔(3) اس آیت میں اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ اور وَ هُوَ مَعَكُمْ کو جمع کر دیا گیا ہے دونوں کے ظاہر کو لیا جائے تو تناقص واقع ہوتا ہے اس لیے تاویل ضروری ہے، تاویل سے اعراض تناقص کو تسلیم کرتا ہے۔ امام ابوالمعالی نے کہا: حضرت محمد ﷺ لیلۃ المعراج کو حضرت یونس علیہ السلام کی بنسبت اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب نہ تھے جب کہ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں تھے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ یہ تکرار تاکید کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی حقیقت میں معبود ہے۔ وَ اِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ امور سے مراد آخرت میں مخلوقات کے امور ہیں۔ حضرت حسن بصری، اعرج، یعقوب، ابن عامر، ابوحیوہ، ابن محیصن، حمید، اعمش، حمزہ، کسائی اور خلف نے تَرْجِعُ پڑھا ہے (4)، باقی قراء نے تُرْجَعُ پڑھا ہے۔

یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ یُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ سورۂ آل عمران میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ وَ هُوَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ اس پر ضمائر مخفی نہیں، جس کی یہ صفت ہو تو جائز نہیں کہ اس کے غیر کی عبادت کی جائے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ اَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِیْرٌ ۝ وَ مَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَ الرَّسُوْلُ یَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَ قَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝

"ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور خرچ کرو (اس کی راہ میں) ان مالوں سے جن میں اس نے تمہیں اپنا نائب بنایا ہے، پس جو لوگ ایمان لائے تم میں سے اور (راہ خدا میں) خرچ کرتے رہے ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے، حالانکہ (اس کا) رسول دعوت دے رہا ہے تمہیں کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ بھی لے چکا ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو۔ وہی ہے جو نازل فرما رہا ہے اپنے (محبوب) بندہ پر روشن آیتیں تاکہ تمہیں نکال لے (کفر کے) اندھیروں سے (ایمان کے) نور کی طرف، اور بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بڑی شفقت فرمانے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 470 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 258

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ یعنی اس امر کی تصدیق کرو کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔ وَ اَنْفِقُوْا اور صدقہ کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد فرض زکوۃ ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد فرض زکوۃ کے علاوہ طاعات کی صورتیں ہیں (2) اور وہ چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کرتی ہیں۔

مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ یہ دلیل ہے کہ اصل ملک اللہ تعالیٰ کے لیے ہے بندے کا صرف اتنا کام ہے کہ وہ اس میں ایسا تصرف کرے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو راضی کرے اور اس پر اللہ تعالیٰ اسے جنت عطا فرمائے۔ جس نے ان اموال میں سے حقوق اللہ میں خرچ کیا اور اس پر ان میں سے انفاق آسان ہوا جس طرح ایک آدمی کے لیے غیر کے مال میں سے مال خرچ کرنا آسان ہوتا ہے جب وہ اسے خرچ کرنے کی اجازت دے تو اس کے لیے بڑا ثواب اور اجر عظیم ہوگا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ سے مراد ہے کہ تمہیں تمہارے پہلوں کے مال کا وارث بنا دیتا ہے۔ یہ چیز اس امر پر دال ہے کہ یہ اموال حقیقت میں تمہارے نہیں تم تو صرف ان میں نائب اور وکیل ہو تو تم اس فرصت کو غنیمت سمجھو کہ قبل اس کے کہ یہ مال تمہارے ہاتھ سے نکل کر تمہارے بعد تک جا پہنچیں تم اس میں حق بجا لاؤ۔ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ اَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِیْرٌ۝ تم میں سے جو ایمان لائے اور جس نے اعمال صالحہ کیے، اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا ان کے لیے جنت ہے۔

وَ مَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ یہ استفہام ہے مراد توبیخ ہے یعنی ایمان نہ لانے کا تمہارے پاس کیا عذر ہے جب کہ تمام رکاوٹیں ختم ہو چکی ہیں وَ الرَّسُوْلُ یَدْعُوْكُمْ اس کے ساتھ یہ واضح کیا کہ شرائع کے وارد ہونے سے پہلے کوئی حکم نہیں۔ ابو عمرو نے اسے پڑھا وَ قَدْ اُخِذَ مِیْثَاقُكُمْ، اخذ فعل مجہول ہے باقی قراء نے اسے معروف پڑھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تم سے پختہ وعدہ لیا ہے کہ تم میں عقلیں رکھیں اور تم پر دلائل اور حجتیں قائم کیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی طرف لے جاتی ہیں اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۝ یہاں اِنْ، اذ کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر تم حجتوں اور دلائل پر ایمان رکھتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر تم کسی روز حق پر ایمان رکھتے ہو تو آج سب سے مناسب وقت ہے کہ تم ایمان لے آؤ کیونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے دلائل قائم ہو چکے ہیں پس اس کے دلائل صحیح ثابت ہو گئے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر تم اللہ تعالیٰ جو تمہارا خالق ہے اس پر ایمان رکھتے ہو۔ وہ اس چیز کا اعتراف کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ ایسی قوم کو خطاب ہے جو ایمان لائی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے وعدہ لیا بعد میں وہ مرتد ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۝ سے مراد ہے اگر تم ایمان کی شرائط کا اقرار کرتے ہو۔

هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ مراد قرآن حکیم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد معجزات ہیں یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا تم پر لازم ہے کیونکہ اس کے ساتھ معجزات ہیں اور قرآن حکیم ان میں سے سب سے بڑا معجزہ ہے۔ لِّیُخْرِجَكُمْ تا کہ تمہیں قرآن کے ساتھ نکالے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمہیں رسول کے ساتھ نکالے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمہیں موت کے ساتھ نکالے۔ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اس سے مراد شرک اور کفر ہے۔ اِلَى النُّوْرِ اس سے مراد ایمان ہے (3)۔ وَ اِنَّ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 471 2۔ ایضاً 3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 259

اللّٰہَ بِکُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝۹

وَ مَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝۱۰

''آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم خرچ نہیں کرتے (اپنے مال) راہ خدا میں حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کا وارث ہے۔ تم میں سے کوئی برابری نہیں کر سکتا ان کی جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے (راہ خدا میں) مال خرچ کیا اور جنگ کی، ان کا درجہ بہت بڑا ہے ان سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مال خرچ کیا اور جنگ کی، (ویسے تو) سب کے ساتھ اللہ نے وعدہ کیا ہے بھلائی کا اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے بخوبی خبردار ہے''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَ مَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یعنی وہ کون سی چیز ہے جو تمہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکتی ہے اور ایسا کام کرنے سے روکتی ہے جو تمہیں اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کرے جب کہ تم مر رہے ہو اور اپنے مال پیچھے چھوڑے جا رہے ہو جبکہ یہ مال اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ کلام کا معنی خرچ نہ کرنے پر شرمندہ کرنا ہے۔ وَ لِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ یعنی جب ان دونوں میں رہنے والے ختم ہو جائیں گے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والے ہیں جس طرح میراث اپنے مستحق کی طرف لوٹ جاتی ہے(1)۔

مسئلہ نمبر 2۔ لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ اکثر مفسرین کی یہ رائے ہے کہ فتح سے مراد فتح مکہ ہے(2)۔ شعبی اور زہری نے کہا: مراد صلح حدیبیہ ہے(3)۔ قتادہ نے کہا: دونوں قتال تھے ان دونوں میں سے ایک دوسرے سے افضل تھا، دو نفقات تھے دونوں میں سے ایک دوسرے سے افضل تھا۔ فتح مکہ سے پہلے قتال اور مال خرچ کرنا اس کے بعد قتال اور مال خرچ کرنے سے افضل تھا۔ اس کلام میں حذف ہے تقدیر کلام یہ ہے لا یستوی منکم من أنفق من قبل الفتح و قاتل و من أنفق من بعد الفتح و قاتل اسے حذف کیا گیا ہے کیونکہ کلام اس محذوف پر دال ہے۔ فتح سے پہلے نفقہ عظیم تھا کیونکہ لوگوں کی ضرورت زیادہ تھی کیونکہ اسلام کمزور تھا اور خرچ کرنے والوں پر یہ عمل زیادہ شاق تھا اور اجر تھکاوٹ کے مطابق ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اشہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے: مناسب یہ ہے کہ اہل فضل اور اہل عزم کو مقدم رکھا جائے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ۔

کلبی نے کہا: یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی اس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور تقدیم پر واضح دلیل ہے کیونکہ یہ پہلے وہ شخص ہیں جو اسلام لائے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: سب سے پہلے جس

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 471　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً

نے اپنی تلوار کے ساتھ اسلام کی مدد کی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے اور حضرت ابوبکر صدیق ہیں۔ کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنا مال خرچ کیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس موجود تھا جب کہ حضرت ابوبکر صدیق آپ کے پاس حاضر تھے ان پر ٹاٹ کا لباس تھا انہوں نے اپنے سینے پر کانٹوں کے بٹن لگائے ہوئے تھے۔ حضرت جبرئیل امین حاضر ہوئے عرض کی: اے اللہ کے نبی! کیا وجہ ہے میں حضرت ابوبکر صدیق پر ایسی عباء دیکھتا ہوں کہ انہوں نے اپنے سینے پر اس میں کانٹوں کے بٹن لگائے ہوئے ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''انہوں نے فتح سے پہلے اپنا مال مجھ پر خرچ کیا ہے'' (1)۔ حضرت جبرئیل امین نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو ارشاد فرماتا ہے ابوبکر کو سلام کہیں اور اس سے پوچھیں کیا تو اس فقر کے عالم میں راضی ہے یا ناراض ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے ابابکر! اللہ تعالیٰ تجھے سلام فرماتا ہے اور کہتا ہے کیا تو اپنے فقر میں راضی ہے یا ناراض ہے؟'' حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کی: کیا میں اپنے رب پر ناراض ہو سکتا ہوں؟ میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھے ارشاد فرماتا ہے میں تجھ سے اسی طرح راضی ہوں جس طرح تو مجھ سے راضی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رونے لگے حضرت جبرئیل امین نے عرض کی: اے محمد! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے حاملین عرش نے بھی اس وقت سے ایسی عبائیں پہنی ہوئی ہیں جن میں کانٹوں کے بٹن ہیں جب سے آپ کے اس دوست نے ایسی عبا پہنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ اپنے آپ پر آپ کو مقدم کرتے اور ان کے لیے تقدم اور سبقت کا اقرار کرتے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی کریم سبقت لے گئے، دوسرا نمبر حضرت ابوبکر صدیق کا ہے اور تیسرا حضرت عمر کا ہے میرے پاس کوئی آدمی نہیں لایا جائے گا جو مجھے حضرت ابوبکر صدیق پر فضیلت دے گا تو میں اس پر افتراء باندھنے والے کی حد جاری کروں گا، اس کو اسی کوڑے ماروں گا، شہادت رد کر دوں گا۔ متقدمین نے متاخرین سے زیادہ مشقتیں اٹھائیں، ان کی بصیرت بھی زیادہ قوی تھیں۔

مسئلہ نمبر 4۔ تقدم و تاخر دنیا کے احکام میں ہوتا ہے جہاں تک دین کے احکام کا تعلق ہے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم لوگوں کو ان کی منازل میں رکھیں رتبہ کے اعتبار سے سب سے عظیم منزل نماز ہے (2)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرض وصال میں فرمایا: ''ابوبکر کو حکم دو وہ لوگوں کو نماز پڑھائے''۔ فرمایا: لوگوں کی امامت وہ کرائے جو ان میں سے کتاب اللہ کو زیادہ پڑھنے والا ہو (3)۔ فرمایا: ''تم دونوں میں سے بڑا تمہاری امامت کرائے'' (4)۔ یہ حضرت مالک بن حویرث سے مروی ہے اور یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔ امام بخاری اور دوسرے علماء نے یہ سمجھا کہ مراد مقام و مرتبہ کے اعتبار سے بڑا ہے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ولاء بڑے کے لیے ہے'' یہاں کبر سے مراد عمر میں بڑا نہیں۔ امام مالک اور دوسرے علماء نے کہا: عمر کا حق ہے۔ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ نے کہا: ''وہ مراعات کا زیادہ حق رکھتا ہے

1۔ اسباب النزول، صفحہ 210، حدیث 785
2۔ صحیح بخاری، کتاب الاذان، جلد 1، صفحہ 93
3۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 96
4۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 94-95

کیونکہ جب علم اور عمر جمع ہو جائیں تو عالم کو مقدم رکھا جائے گا۔ جہاں تک دنیا کے احکام کا تعلق ہے وہ احکام دین پر مرتب ہیں جسے دین میں مقدم کیا جائے گا اسے دنیا میں مقدم کیا جائے گا۔ آثار میں ہے: ''جو آدمی ہمارے بڑے کی عزت نہ کرے، ہمارے چھوٹے پر شفقت نہ کرے اور ہمارے عالم کا حق نہ پہچانے وہ ہم میں سے نہیں'' (1)۔ افراد کے بارے میں جو حدیث ثابت ہے اس میں ہے ''کوئی نوجوان کسی بوڑھے کی اس کی عمر کی وجہ سے تعظیم بجا نہیں لاتا مگر اس کے بڑھاپے کے وقت اللہ تعالیٰ ایسا آدمی مقرر کر دیتا ہے جو اس کی عزت کرتا ہے'' (2)۔ علماء ان اشعار کو پڑھتے ہیں:

أذكر إذا شئت أن تُعِيرَهُمْ ... جَدَّكَ واذكر أباك يا بن أخِ

واعلم بأن الشباب منسلِخٌ ... عنك وما وِزْرُهُ بمنسلِخِ

من لايعزّ الشيوخَ لا بلغتْ ... يومًا به سِنُّه إلى الشَّيَخِ

جب تو بوڑھوں کو عار دلانا چاہے تو اپنے دادا کو یاد کر اور اپنے باپ کو یاد کر، اے بھتیجے! جان لے تجھ سے جوانی جانے والی ہے اور اس کا بوجھ جانے والا نہیں۔ جو آدمی بزرگوں کی عزت نہیں کرتا اس کی عمر ایک روز اسے بڑھاپے کی عمر تک پہنچانے والی ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى، كُلًّا سے مراد آگے بڑھنے والے رکنے والے، اور سبقت لے جانے، پیچھے آنے والے اور لاحق ہونے والے ہیں اللہ تعالیٰ نے سب سے وعدہ کیا ہے اگرچہ ان کے درجات مختلف ہیں۔ ابن عامر نے کل کو مرفوع پڑھا ہے اسی طرح اہل شام کے مصاحف میں یہ مرقوم ہے۔ باقی قراء نے اسے کلا پڑھا ہے جس طرح ان کے مصاحف میں ہے جس نے اسے منصوب پڑھا ہے اس کے نزدیک یہ مفعول بہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر کسی کے ساتھ حسنیٰ کا وعدہ کیا ہے۔ جس نے اسے مرفوع پڑھا ہے تو کیونکہ جب مفعول مقدم ہو تو فعل کا عمل کمزور ہو جاتا ہے تو اس صورت میں ضمیر محذوف ہوگی یعنی وعدہ۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَ لَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ﴿11﴾ یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ بِاَیْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْیَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿12﴾

''کون ہے جو (اپنا مال) اللہ تعالیٰ کو (بطور) قرضہ حسنہ دے اور اللہ تعالیٰ کئی گناہ بڑھا دے اس کے مال کو اس کے لیے (اس کے علاوہ) اسے شاندار اجر بھی ملے گا۔ جس روز آپ دیکھیں گے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو کہ ضوفشانی کر رہا ہوگا ان کا نور ان کے آگے بھی ان کی دائیں جانب بھی (مومنو!) تمہیں مژدہ ہو آج ان باغوں کا، بہہ رہی ہیں جن کے نیچے نہریں تم ہمیشہ وہاں رہو گے، یہی وہ عظیم الشان کامیابی ہے''۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ سورۂ بقرہ میں اس

1۔ مجمع الزوائد، کتاب الادب، توقیر الکبیر، جلد 8، صفحہ 33، حدیث 12610

2۔ جامع ترمذی، کتاب البر والصلۃ، ما جاء فی اجلال الکبیر، جلد 2، صفحہ 23

بارے میں گفتگو گزر چکی ہے جو آدمی بھی کوئی اچھا عمل کرے عرب اس کے بارے میں کہتے ہیں: قد أقرض؛ شاعر نے کہا:

وإذا جُوزِيتَ قَرْضًا فَأجزِهِ (1)

جب تیرے ساتھ حسن سلوک کیا جائے تو اس کا بدلہ دے۔

اسے قرض کا نام دیا گیا کیونکہ قرض بدل واپس لینے کے لیے دیا جاتا ہے یعنی جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے کئی گناہ بدل عطا فرماتا ہے۔ کلبی نے کہا: قرض سے مراد صدقہ ہے، حسنا سے مراد ہے وہ دل سے ثواب کی نیت رکھتا ہو، وہ احسان جتلانے اور اذیت دینے کا کوئی ارادہ نہ رکھتا ہو۔

فَيُضٰعِفَهٗ یعنی سات گنا سے سات سو گنا تک جتنا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے (2): قرض حسن سے مراد ہے کہ وہ اپنی زبان سے یہ کہے سبحان الله، الحمد لله، لا إله إلا الله، الله اکبر۔ یہ سفیان نے ابو حیان سے روایت نقل کی۔ زید بن اسلم نے کہا: مراد اپنے گھر والوں پر مال خرچ کرتا ہے (3)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مراد نفلی عبادت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد عمل خیر ہے (4)؛ عرب کہتے ہیں: لی عند فلان قرض و قرض سوء۔ قشیری نے کہا: قرض حسن سے مراد ہے کہ صدقہ کرنے والا، سچی نیت اور پاکیزہ نفس سے صدقہ کرے وہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو وہ ریا کاری اور شہرت کا خواہش مند نہ ہو، وہ مال حلال کا ہو۔ قرض حسن یہ ہے کہ وہ ردی چیز کا قصد نہ کرے کہ وہ اسے صدقہ کر دے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ (البقرہ: 267) وہ اس وقت صدقہ کرے جب اسے زندگی کی امید ہو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہترین صدقہ کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: ''تو صدقہ کرے جب کہ تو صحت مند ہو، بخل موجود ہو، تو زندگی کی امید رکھتا ہو، تو اسے موخر نہ کیے رکھ یہاں تک کہ سانس ہنسلی کی ہڈی تک آپہنچے تو تو کہے فلاں کے لیے اتنا، فلاں کے لیے اتنا'' (5)۔ وہ اپنے صدقہ کو مخفی رکھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى (البقرہ: 264) وہ جو کچھ دے رہا ہے اسے حقیر جانے کیونکہ تمام دنیا قلیل ہے، جو مال دے وہ اس کا محبوب ترین مال ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران: 92) وہ بہت زیادہ ہو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بہترین غلام وہ ہے جس کی قیمت زیادہ ہو اور مالکوں کے نزدیک زیادہ نفیس ہو'' (6)۔

فَيُضٰعِفَهٗ ابن کثیر اور ابن عامر نے فیضعفه پڑھا ہے یعنی الف کو ساقط کر دیا ہے مگر ابن عامر اور یعقوب نے فاء کو نصب دی ہے۔ نافع اور اہل کوفہ اور اہل بصرہ نے فیضاعفه پڑھا ہے یعنی الف کے ساتھ اور عین کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے مگر عاصم نے فاء کو نصب دی ہے باقی قراء نے اسے مرفوع پڑھا ہے یہ یقرض پر معطوف ہے۔ نصب کی صورت میں یہ استفہام کا جواب ہے۔ سورۂ بقرہ میں اس بارے میں قول مفصل گزر چکا ہے۔ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۱﴾ اس سے مراد جنت ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 472 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

5۔ صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، فضل صدقۃ الشحیح الصحیح، جلد 1، صفحہ 191-190

6۔ موطا امام مالک، العتق والولاء، فضل عتق الرقاب وعتق الزانیۃ، صفحہ 542

یَوۡمَ تَرَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ یوم میں عامل وَلَہٗۤ اَجۡرٌ کَرِیۡمٌ ہے کلام میں حذف ہے تقدیر کلام یہ ہے ولہ أجر کریم فی یوم تری فیہ المؤمنین والمؤمنات یسعی نورھم یعنی وہ پل صراط پر سے گزریں گے۔ بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ یعنی ان کے سامنے وَ بِاَیۡمَانِہِمۡ فراء نے کہا: باء، فی کے معنی میں ہے یا یہ عن کے معنی میں ہے۔ ضحاک نے کہا: نُوۡرُہُمۡ سے مراد ان کی ہدایت ہے وَ بِاَیۡمَانِہِمۡ سے مراد ان کی کتب ہیں؛ طبری نے اسے پسند کیا ہے، یعنی ان کا ایمان اور عمل صالح ان کے سامنے ہوگا اوروں کے ہاتھوں میں ان کے اعمال کی کتابیں ہوں گی (1)۔ اس تعبیر کی بنا پر ھذا، فی کے معنی میں ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر وقف نہ کیا جائے۔ سہل بن سعد ساعدی اور ابوحیوہ نے بایمانھم الف کے کسرہ کے ساتھ پڑھا مراد وہ ایمان لیا ہے (2) جو کفر کی ضد ہے اور جو ظرف نہیں اس کا عطف ظرف پر ہے کیونکہ ظرف کا معنی حال ہے یہ محذوف کے متعلق ہے معنی ہوگا یسعی کائنا بین أیدیھم و کائنا بأیمانھم، بین أیدیھم کا قول یسعی کی ذات کے متعلق نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نور سے مراد قرآن ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ان کو ان کے اعمال کے مطابق نور عطا کیا جائے گا (3)، ان میں سے کوئی ایسا ہوگا جس کو نور کھجور کے درخت جیسا دیا جائے گا اور ان میں سے کوئی ایسا ہوگا جس کو نور کھڑے آدمی کی طرح دیا جائے گا، ان میں سے سب سے کم نور والا وہ ہوگا جس کے پاؤں کے انگوٹھے میں نور ہوگا جو کسی وقت بجھ جائے گا اور کسی وقت روشن ہو جائے گا۔ قتادہ نے کہا: ہمارے سامنے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”مومنوں میں سے کچھ مومن ایسے ہوں گے جن کا نور مدینہ اور عدن کے درمیان کا علاقہ روشن کر دے گا یا مدینہ طیبہ اور صنعاء کے درمیان کا علاقہ منور کر دے گا یہاں تک کہ ان میں سے ایک ایسا مومن بھی ہوگا جس کا نور صرف اس کے قدموں کی جگہ کو روشن کرے گا“۔ حضرت حسن بصری نے کہا: ”تا کہ وہ اس نور کے ساتھ صراط پر روشنی حاصل کریں“۔ جس طرح پہلے بات گزر چکی ہے۔ مقاتل نے کہا: ”تا کہ یہ جنت کی طرف ان کے لیے راہنما بن جائے“۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

بُشۡرٰىکُمُ الۡیَوۡمَ جَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ تقدیر کلام یہ ہے یقال لھم بشرا کم الیوم یعنی قول محذوف ہے۔ یعنی آج تمہیں جنات میں داخل ہونے کی بشارت ہے۔ مضاف کو حذف کرنا ضروری ہے کیونکہ بشری امر حدثی ہے اور جنت عینی چیز ہے اس لیے بشری تو جنت نہیں ہو سکتی۔ ان کی رہائشوں کے نیچے دودھ، پانی، شراب اور شہد کی نہریں رواں ہوں گی۔

خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا یہ دخول محذوف سے حال ہے، تقدیر کلام یہ ہے بشرا کم الیوم دخول جنات تجری من تحتھا الانھار اس میں ہمیشہ رہنا مقدر کر دیا گیا ہے یہ بُشۡرٰىکُمُ سے حال نہیں کیونکہ صلہ اور موصول کے درمیان فاصلہ ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ بشری جس پر دلالت کر رہا ہے اس سے حال ہو گویا کہا: تبشرون خالدین۔ یہ بھی جائز ہے کہ ظرف جو الیوم ہے یہ بشراکم کی خبر ہو اور جنات یہ بشری سے بدل ہو اور مضاف محذوف ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ خٰلِدِیۡنَ حال ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ فراء نے جنات پر نصب کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ یہ حال ہے اس شرط پر کہ الۡیَوۡمَ، بُشۡرٰىکُمُ کی خبر ہے جب کہ یہ بعید ہے کیونکہ جنات میں فعل کا معنی موجود نہیں اس امر کو جائز قرار دیا کہ بُشۡرٰىکُمُ منصوب ہو معنی یہ ہے

1۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 260 2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 261 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 473

یبشرونہم بشری اور جنات کو نصب بشرای کی وجہ سے ہو اس صورت میں صلہ اور موصول میں فرق ہوگا۔

يَوْمَ يَقُولُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۭ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾

''اس روز کہیں گے منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے (اے نیک بختو!) ذرا ہمارا بھی انتظار کرو ہم بھی روشنی حاصل کرلیں تمہارے نور سے (انہیں) کہا جائے گا لوٹ جاؤ پیچھے کی طرف اور (وہاں) نور تلاش کرو، پس کھڑی کردی جائے گی ان کے اور اہل ایمان کے درمیان ایک دیوار جس کا ایک دروازہ ہوگا اس کے باطن میں رحمت اور اس کے ظاہر کی جانب عذاب ہوگا۔ منافق پکاریں گے اہل ایمان کو کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے، کہیں گے بے شک! لیکن تم نے اپنے آپ کو خود فتنوں میں ڈال دیا اور (ہماری تباہی کا) انتظار کرتے رہے اور شک میں مبتلا رہے اور دھوکہ میں ڈال دیا تمہیں جھوٹی امیدوں نے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان آپہنچا اور دھوکہ دیا تمہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں شیطان (دغاباز) نے۔ پس آج نہ تم سے فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ کفار سے، تم (سب کا) ٹھکانا آتش (جہنم) ہے، وہ تمہاری رفیق ہے اور بہت بری جگہ ہے لوٹنے کی''۔

يَوْمَ يَقُولُ الْمُنٰفِقُوْنَ، يَوْمَ میں عامل ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ پہلے یوم سے بدل ہے (1)۔ انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ عام قرأت ہمزہ وصلی اور ظاء کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ یہ نظر سے مشتق ہے۔ نظر، انتظار کے معنی میں ہے یعنی ہمارا انتظار کیجئے۔ اعمش، حمزہ اور یحییٰ بن وثاب نے انْظِرُوْنَا الف قطعی اور ظاء کے کسر کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ انظار سے مشتق ہے یعنی ہمیں مہلت دو۔ انظرتہ میں نے اسے مہلت دی، استنظرتہ میں نے اس سے مہلت طلب کی۔ فراء نے کہا: عرب کہتے انظرنی انتظرنی اور عمرو بن کلثوم کا شعر پڑھا:

أبا هِندٍ فلا تَعْجَلْ عَلَيْنَا وأَنْظِرْنَا نُخَبِّرْكَ الْيَقِينَا(2)

اے ابو ہند! ہم پر جلدی نہ کرو، ہمارا انتظار کرو ہم تجھے یقینی خبر دیتے ہیں۔

شعر میں انظرنا، انتظرنا کے معنی میں ہے۔

نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ہم تمہارے نور سے روشنی حاصل کرتے ہیں (3)۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابو امامہ نے کہا:

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 261 2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 262 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 474

قیامت کے روز لوگوں پر ظلمت چھا جائے گی۔ ماوردی نے کہا: میں گمان کرتا ہوں۔ یہ فیصلہ کے بعد ہوگا۔ پھر انہیں نور عطا کیا جائے گا جس میں وہ چلیں گے۔ مفسرین نے کہا: اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مومنوں کو ان کے اعمال کے مناسب نور عطا فرمائے گا جس کی مدد سے وہ صراط پر چلیں گے۔ منافقوں کو نور دیا جائے گا انہیں دھوکہ دینے کے لیے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وَ هُوَ خَادِعُهُمْ (النساء:142) ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں نور دیا جائے گا کیونکہ ان میں سے سب اہل دعوت تھے کافروں کو نور نہیں دیا جائے گا(1)۔

پھر منافق کا نور اس کے نفاق کی وجہ سے سلب کر لیا جائے گا؛ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ حضرت ابوامامہ نے کہا: مومن کو نور دیا جائے گا اور کفار و منافق کو نور کے بغیر چھوڑ دیا جائے گا۔ کلبی نے کہا: منافق مومنوں کے لیے نور سے روشنی حاصل کرنا چاہیں گے انہیں نور نہیں دیا جائے گا اسی اثناء میں کہ وہ چل رہے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ ان میں ہوا اور تاریکی بھیجے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ منافقوں کے نور کو بجھا دے گا؛ اللہ تعالیٰ کے فرمان رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا (التحریم:8) کا یہی مصداق ہے۔ یہ مومن عرض کریں گے کیونکہ انہیں ڈر ہوگا کہ کہیں ان کا نور بھی سلب نہ کر لیا جائے جس طرح منافقوں کا نور سب کیا گیا۔ جب منافق تاریکی میں رہیں گے تو وہ اپنی قدموں کی جگہ کو بھی نہ دیکھیں گے تو وہ مومنوں سے کہیں گے: انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ۔

قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فرشتے انہیں کہیں گے: واپس پلٹ جاؤ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بات مومن انہیں کہیں گے کہ اس جگہ کی طرف لوٹ جاؤ جہاں سے ہم نے نور حاصل کیا ہے وہاں سے اپنے لیے نور حاصل کرو کیونکہ تم ہمارے نور سے کچھ حاصل نہیں کر سکتے۔ جب وہ نور کی تلاش میں واپس پلٹیں گے تو درمیان میں دیوار بنا دی جائے گی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے تم نے دنیا سے اپنا نور کیوں طلب نہیں کیا کہ تم ایمان لاتے۔ بِسُوْرٍ یعنی سور میں باء زائدہ ہے، یہ نسائی کا قول ہے۔ سور یہ جنت اور دوزخ کے درمیان آڑ ہوگی۔ ایک روایت یہ کی گئی ہے کہ "وہ دیوار بیت المقدس میں ہوگی یہ اس جگہ ہوگی جو وادی جہنم کے نام سے معروف ہے"۔

بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ جس جانب مومن ہوں گے وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾ یعنی جس جانب منافق ہوں گے۔

کعب الاحبار نے کہا: مراد وہ دروازہ ہے جو بیت المقدس میں ہے جو باب رحمت کے نام سے معروف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا: یہ بیت المقدس کی مشرقی دیوار ہے جس کی اندر کی جانب رحمت ہے اور باہر کی جانب جہنم ہے؛ اسی کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ زیاد بن ابی سوادہ نے کہا: حضرت عبادہ بن صامت بیت المقدس کی مشرقی دیوار پر کھڑے ہوئے اور روئے اور کہا: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ آپ نے یہاں سے جہنم کو دیکھا۔ قتادہ نے کہا: یہ جنت اور دوزخ کے درمیان دیوار ہے۔ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ رحمت سے مراد جنت ہے وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾ عذاب سے مراد جہنم ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ حجاب ہے جس طرح سورۂ اعراف میں ہے، اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 474

بے شک رحمت جس کے باطن میں سے مراد مومنین کا نور ہے اور عذاب جس کے ظاہر میں سے مراد منافقین کی تاریکی ہے۔

یُنَادُوْنَهُمْ منافق مومنوں کو ندا دیں گے۔ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ کیا وہ دنیا میں تمہارے ساتھ نہ تھے یعنی ہم نماز پڑھتے تھے جس طرح تم نماز پڑھتے تھے، ہم جہاد کرتے جس طرح تم جہاد کیا کرتے تھے اور ہم وہی کام کیا کرتے تھے جس طرح تم کیا کرتے تھے (1)۔ قَالُوْا بَلٰى مومن کہیں گے: کیوں نہیں تم ظاہراً ہمارے ساتھ تھے وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ یعنی تم نے اپنے آپ کو فتنہ میں مبتلا کیا۔ مجاہد نے کہا: تم نے نفاق کے ساتھ اپنے آپ کو ہلاک کیا (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا: معاصی کے ساتھ اپنے آپ کو ہلاک کیا (3)؛ یہ ابوسنان کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شہوات اور لذات کے ساتھ ہلاک کیا (4)، یہ ابونمیر ہمدانی نے روایت کیا ہے۔

وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ تم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت اور مومنین کے لیے حادثات زمانہ کا انتظار کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم نے توبہ کا انتظار کیا اور توحید و نبوت میں شک کیا (5)۔ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ باطل چیزوں نے تمہیں دھوکہ میں مبتلا کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لمبی امیدوں نے تمہیں دھوکہ میں مبتلا کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے جو مومنوں کو کمزور ہونے اور اس کے بارے میں مصائب کے نازل ہونے کی آرزو رکھتے تھے۔ قتادہ نے کہا: یہاں أمانی سے مراد شیطان کا دھوکہ ہے (6)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد دنیا ہے؛ یہ حضرت عبداللہ بن عباس کا قول ہے۔ ابوسنان نے کہا: مراد ان کا یہ قول ہے (7) سیغفر لنا ہلال بن سعد نے کہا: تیرا اپنی نیکیوں کو یاد کرنا اور اپنی برائیوں کو بھلا دینا یہ دھوکہ ہے۔

حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ مراد موت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد اپنے نبی کی مدد ہے۔ قتادہ نے کہا: مراد انہیں جہنم میں پھینکنا ہے۔ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ یعنی شیطان نے تمہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں دھوکہ میں مبتلا کر دیا ہے؛ یہ عکرمہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد دنیا ہے؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ بعض علماء نے کہا: باقی کے لیے ماضی میں عبرت ہے بعد والے کے لیے پہلے میں جھڑک ہے۔ سعید وہ ہے جو طمع سے دھوکہ میں مبتلا نہ ہو اور دھوکہ دینے والی چیزوں کی طرف مائل نہ ہو۔ جو موت کو یاد کرتا ہے آرزو کو بھول جاتا ہے، جو امید کو لمبا کرتا ہے عمل کو بھول جاتا ہے اور موت سے غافل ہو جاتا ہے۔

غرور کا لفظ مبالغہ کا وزن ہے مقصود کثرت کا اظہار ہے۔ ابوحیوہ، محمد بن سمیقع اور سماک بن حرب نے غُرور پڑھا ہے یعنی غین پر ضمہ ہے۔ مراد باطل امور ہیں یہ مصدر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے خط لگائے اور ایک ان سے ایک جانب لگایا فرمایا: "کیا تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟ یہ انسان اور اس کی تمنا کی مثال ہے، وہ خطوط درمیان میں امیدیں ہیں اسی اثناء میں کہ وہ تمنا کرتا ہے تو اسے موت آجاتی ہے" (8)۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مربع خط لگایا اس کے درمیان ایک خط لگایا اور اسے مربع سے باہر نکالا، اس کی دائیں بائیں چھوٹے خطوط لگائے فرمایا: "یہ انسان ہے، یہ اس کی موت ہے جو اس کو ہر طرف

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 476 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً
6۔ ایضاً 7۔ ایضاً 8۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، الأمل والأجل، صفحہ 322

سے گھیرے ہوئے ہے، یہ اس کی آرزو ہے جو اس کی موت سے باہر نکل رہی ہے، یہ چھوٹے خطوط آفتیں ہیں اگر یہ خطا جائے تو دوسری اسے نوچ لیتی ہے اگر دوسری خطا جائے تو یہ اسے اپنی گرفت میں لے لیتی ہے''۔

فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ خطاب منافقوں کو ہے وَلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا انہیں نجات سے ،یوں کر دیا۔ عام قرأت یؤخذ ہے کیونکہ فدیہ مؤنث غیر حقیقی ہے کیونکہ اس کے درمیان اور فعل کے درمیان فاصلہ ہے۔ ابن عامر اور یعقوب نے تُؤخذ پڑھا ہے۔ ابو حاتم نے اسے ہی اختیار کیا ہے کیونکہ فدیہ مؤنث ہے پہلی قرأت کو ابو عبید نے اختیار کیا ہے یعنی تم سے بدل، عوض اور کوئی اور نفس قبول نہ کیا جائے گا۔

مَاْوٰىكُمُ النَّارُ یعنی تمہارا مقام اور تمہاری منزل جہنم ہے هِيَ مَوْلٰىكُمْ یہی تمہارے حق میں مناسب اور بہترین ہے۔ مولیٰ اسے کہتے ہیں جو انسان کے مصالح کا ذمہ دار ہوتا ہے پھر اس کا استعمال اس شخص کے بارے میں ہونے لگا جو کسی چیز کو لازم ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آگ ان کے امور کی مالک ہوگی، معنی ہے اللہ تعالیٰ اس میں زندگی اور عقل پیدا فرمادے گا وہ کفر پر غصہ کی وجہ سے پھٹ جائے گی، اس وجہ سے اس ارشاد میں اسے خطاب کیا گیا: يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَ تَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۝ (ق)

وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ وہ کتنی بری لوٹنے کی جگہ اور کتنا برا ٹھکانہ ہے۔

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَ لَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ اِعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

''کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا اہل ایمان کے لیے کہ جھک جائیں ان کے دل یاد الٰہی کے لیے اور اس سچے کلام کے لیے جو اترا ہے اور نہ بن جائیں ان لوگوں کی طرح جنہیں کتاب دی گئی اس سے پہلے پس لمبی مدت گزر گئی ان پر تو سخت ہو گئے ان کے دل اور ایک کثیر تعداد ان میں سے نافرمان بن گئی۔ جان لو! اللہ تعالیٰ زندہ کر دیتا ہے زمین کو اس کے مرنے کے بعد، ہم نے کھول کر بیان کر دی ہیں تمہارے لیے (اپنی) نشانیاں تاکہ تم سمجھو''۔

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا، يَاْنِ کا معنی ہے قریب ہونا قوت آنا، شاعر نے کہا

أَلَمْ يَأْنِ لِي يَا قَلْبُ أَنْ أَتْرُكَ الْجَهْلَا وأن يُحْدِثَ الشَّيْبُ المبينُ لنا عَقْلَا

اے میرے دل! کیا میرے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ میں جہالت کو ترک کر دوں اور یہ بڑھاپا میرے لیے عقل کو پیدا کر دے۔

اس فعل کا ماضی ان الف مقصورہ کے ساتھ ہے مضارع یانی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے آن لك أن تفعل كذا ، يئين أينا يعني

وہ وقت آ گیا ہے کہ تو اس طرح کرے۔ یہ أنى للك کی مثل ہے یا اس سے مقلوب ہے۔ ابن سکیت نے یہ شعر پڑھا:

أَلَمَّا يَئِنْ لِي أَنْ تَجَلَّى عَمَايَتِي وَأُقْصِرُ عن لَيْلَى بَلَى قَدْأَنَى لِيَا

کیا میرے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ میری گمراہی عیاں ہو جائے اور میں لیلیٰ سے ہاتھ کھینچ لوں کیوں نہیں میرے لیے وہ وقت آ چکا ہے۔

دونوں لغتوں کو جمع کیا۔ حضرت حسن بصری نے پڑھا أَلَمَّا یأن اس کی اصل أَلَمْ ہے(1) اس میں ما زائدہ ہے۔ یہ قائل کے قول کی نفی ہے جو قد کان کذا ہے اور لم اس کے قول کان کذا کی نفی ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارے اسلام لانے اور اس آیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں عتاب کیا چار سال کا عرصہ حائل تھا(2)۔ خلیل نے کہا: عتاب سے مراد ناراضگی کا ذکر ہے تو کہتا ہے: عاتبته معاتبة۔

اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ، تَخْشَعَ کا معنی ہے مطیع ہونا اور نرم ہونا۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ مزاح اور ہنسا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں بہت زیادہ ہو گیا جب وہ مدینہ طیبہ میں خوشحال ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمہارے خشوع میں آہستگی پاتا ہے'' تو اس موقع پر صحابہ نے کہا: ہم نے خشوع کو اپنایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مومنین کے دلوں میں سستی پائی تو نزول قرآن کے تیرہویں سال انہیں عتاب کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہجرت کے ایک سال بعد منافقین کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی؛ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ منافقین نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے یہ سوال کیا کہ وہ انہیں تورات کے عجائب بیان کریں۔ تو الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۞ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ (یوسف) تک آیات نازل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی کہ یہ غیر سے زیادہ حسین اور زیادہ نفع مند ہے۔ تو وہ حضرت سلمان سے سوال کرنے سے رک گئے۔ انہوں نے پھر پہلے کی طرح آپ سے سوال کیے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس تاویل کی بنا پر ایمان داروں سے مراد وہ لوگ ہیں جو زبان سے ایمان لائے۔

سدی وغیرہ نے کہا: اس آیت سے مراد وہ لوگ ہیں جو ظاہراً ایمان لائے اور کفر کو چھپائے ہوئے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ مومنین کے حق میں نازل ہوئی۔ حضرت سعد نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کاش آپ ہمیں کوئی قصہ بیان کرتے تو یہ آیت نازل ہوئی نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ (یوسف:3) کچھ عرصہ بعد انہوں نے عرض کی: کاش! آپ کچھ بیان کرتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ (الزمر:23) انہوں نے کچھ عرصہ بعد عرض کی: کاش! آپ کچھ ذکر کرتے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔ کہا: ہمارے اسلام لانے اور اس آیت کے ذریعے ہمارے عتاب کے درمیان چار سال کا عرصہ حائل ہے تو ہم ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اور ہر کوئی یہ کہتا: ہم نے کیا کیا ہے؟ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں سستی پائی جب کہ وہ مخلوقات میں سے وہ سب سے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 264 2۔ صحیح مسلم، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 421

زیادہ اسے محبوب تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ خطاب ان لوگوں کو ہے جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان لائے مگر حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء پر ایمان نہ لائے کیونکہ اس کے بعد فرمایا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ (الحدید: 19) یعنی وہ لوگ جو تورات اور انجیل پر ایمان لائے ان کے لیے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل قرآن کے لیے نرم ہوں وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کے متقدمین کی طرح کیوں نہ ہوئے؟ جب ان لوگوں اور ان کے نبی کے درمیان عرصہ زیادہ ہوا تو ان کے دل سخت ہو گئے۔

وَلَا يَكُوْنُوْا یہ الا یکونوا ہے اس کا عطف اَنْ تَخْشَعَ پر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نہی ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے اس کا مجاز لا یکونن ہے اس تاویل کی دلیل حضرت رویس کی روایت ہے جو یعقوب سے مروی ہے کہ یہ لا تکونوا ہے۔ یہ عیسیٰ اور ابن اسحاق کی قرأت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: یہودیوں اور نصاریٰ کے راستہ پر نہ چلو جنہیں تورات اور انجیل دی گئی تو ان کا زمانہ طویل ہو گیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: جب بنی اسرائیل پر طویل زمانہ گزر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے، انہوں نے اپنی جانب سے ایک کتاب گھڑلی حق ان کے اور ان کی خواہشوں کے درمیان حائل ہو جاتا یہاں تک کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پس پشت پھینک دیا گویا وہ اسے جانتے ہی نہیں پھر انہوں نے کہا: اس کتاب کو بنی اسرائیل پر پیش کرو اگر وہ تمہاری پیروی کریں تو تم انہیں چھوڑ دو بصورت دیگر انہیں قتل کر دو۔ پھر انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ وہ اسے ان کے علماء میں سے ایک عالم کے پاس بھیجتے ہیں اور کہا: اگر اس نے ہماری موافقت کی تو کوئی بھی ہماری مخالفت نہ کرے گا اگر اس نے انکار کیا تو ہم اسے قتل کر دیں گے تو اس کے بعد کوئی بھی ہماری مخالفت نہیں کرے گا۔ انہوں نے اس عالم کو بلا بھیجا اس نے اللہ کی کتاب ورقہ میں لکھی اسے ایک سینگ میں رکھا اور اسے گلے میں لٹکا لیا، پھر اس پر اپنے کپڑے پہن لیے۔ پھر وہ ان کے پاس آیا انہوں نے اس پر اپنی کتاب پیش کی اور کہا: کیا تو اس کتاب پر ایمان رکھتا ہے؟ اس نے اپنا ہاتھ اپنے سینہ پر مارا۔ اس نے کہا: میں اس (یعنی جو سینے پر لٹک رہی ہے) پر ایمان لایا تو بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے۔ ان میں بہترین اس سینگ والے تھے۔

حضرت عبد اللہ نے کہا: تم میں سے جو زندہ رہے گا وہ برائیاں دیکھے گا جب وہ برائی دیکھے اور وہ یہ طاقت نہیں رکھتا کہ وہ اس کو تبدیل کر سکے تو اس کے دل کے بارے میں اللہ تعالیٰ یہ جانے کہ وہ اس برائی کو ناپسند کرتا ہے۔ مقاتل بن حیان نے کہا: مراد اہل کتاب میں سے مومن ہیں جن پر عرصہ طویل ہو گیا انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت میں دیری محسوس کی۔

فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے رہبانیت شروع کی یعنی گرجے والوں نے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وہ لوگ ہیں جو فقہ نہیں جانتے جس کو وہ اپنائیں اور جو علم رکھتے ہیں اس کے خلاف عمل کریں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ایمان دار نہیں۔ ان میں سے ایک طائفہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر قائم رہا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو وہ آپ پر ایمان لائے۔ ان میں سے کچھ لوگ وہ تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین سے پھر گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فاسق قرار دیا۔ محمد بن کعب نے کہا: صحابہ کرام مکہ مکرمہ میں تنگی کی زندگی بسر کرتے تھے، جب انہوں نے ہجرت کی تو خوشحال ہوئے تو جس حال میں پہلے تھے اس میں سستی ہوئی تو ان کے دل

سخت ہو گئے اللہ تعالیٰ نے انہیں نصیحت کی تو انہیں افاقہ ہو گیا۔

ابن مبارک نے ذکر کیا: امام مالک بن انس نے ذکر کیا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بغیر زیادہ باتیں نہ کیا کرو ورنہ تمہارے دل سخت ہو جائیں گے۔ سخت دل اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے لیکن تم علم نہیں رکھتے لوگوں کے گناہوں کو نہ دیکھو گویا تم مالک ہو انہیں دیکھو یا فرمایا: اپنے گناہ دیکھو گویا تم غلام ہو۔ بے شک لوگوں کی دو قسمیں ہیں جو عافیت میں ہیں یا جنہیں آزمائش میں ڈالا گیا ہے۔ جو لوگ آزمائش میں مبتلا ہیں ان پر رحم کرو اور عافیت پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرو۔ یہ آیت کریمہ حضرت فضیل بن عیاض اور حضرت عبداللہ بن مبارک کی توبہ کا باعث بنی۔

ابو مطرف عبدالرحمن بن مروان قلانسی سے ذکر کیا کہ محمد بن حسن بن اشیق، علی بن یعقوب زیات سے وہ ابراہیم بن ہشام سے وہ زکریا ابن ابی ابان سے وہ لیث بن حرث سے وہ حسن بن داہر سے روایت کرتے ہیں: ایک روز اپنے بھائیوں کے ساتھ اپنے باغ میں تھا یہ وہ وقت تھا جب باغ میں مختلف قسم کے پھل موجود تھے ہم نے رات تک کھایا پیا پھر سو گئے میں عود طنبور بجانے کا عادی تھا۔ میں رات کے کسی حصہ میں اٹھا، میں نے ایک راگ گانا چاہا جسے راشین السحر کہتے سنان نے گانے کا ارادہ کیا جب کہ ایک پرندہ میرے سر کے اوپر ایک درخت پر چیخ رہا تھا، عود میرے ہاتھ میں تھا جس کا میں ارادہ کر رہا تھا وہ اس طرح نہیں بج رہا تھا اچانک وہ یوں بولنے لگا جس طرح انسان بولتا ہے: اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ میں نے کہا: کیوں نہیں؟ اللہ کی قسم! میں نے عود کو توڑ دیا اور جو مال میرے پاس تھا اس کو صرف کر دیا یہ میرا زہد اور تگ و دو کا پہلا مرحلہ تھا۔ ہم تک وہ اشعار بھی پہنچے ہیں جو حضرت ابن مبارک نے عود پر بجانا چاہا:

أَلَمْ يَأْنِ لِي مِنكَ أَنْ تَرْحَمَا وَتَعْصِ الْعَوَاذِلَ وَاللُّوَّمَا

وَتَرْثِيْ لِصَبٍّ بِكُم مُغْرَمٍ أَقَامَ عَلَى هَجْرِكُمْ مَأْتَمَا

يَبِيْتُ إِذَا جَنَّهُ لَيْلُهُ يُرَاعِي الْكَوَاكِبَ وَالْأَنْجُمَا

وَمَا ذَا عَلَى الظَّبْيِ لَوْ أَنَّهُ أَحَلَّ مِنَ الْوَصْلِ مَا حَرَّمَا

کیا میرے لیے تیری جانب سے وہ وقت نہیں آیا کہ تو رحم کرے اور ملامت کرنے والوں کی نافرمانی کرے اور اپنے عاشق پر شفقت کرے جو بڑی مصیبت میں ہے وہ تمہارے فراق میں ماتم کر رہا ہے۔ جب رات تاریک ہو جاتی ہے تو وہ کواکب اور انجم شماری کرتا رہتا ہے۔ اس ہرن کو کیا ہو گا اگر وہ اس وصل کو حلال کر دے جس کو اس نے حرام کر رکھا ہے۔

جہاں تک فضیل بن عیاض کا تعلق ہے اس کی توبہ کا سبب یہ ہے کہ وہ ایک لڑکی پر عاشق تھا اس نے ان سے رات کے وقت کا وعدہ کیا۔ اسی اثنا میں کہ وہ دیواریں چڑھ رہے تھے تو ایک قاری کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا تو واپس پلٹ آئے اور کہہ رہے تھے: کیوں نہیں؟ اللہ کی قسم! وہ وقت آ چکا ہے۔ وہ رات انہیں ایک کھنڈر تک لے گئی جہاں مسافروں کی ایک جماعت تھی وہ ایک دوسرے کو کہہ رہے تھے: فضیل ڈاکو ہے۔ فضیل نے کہا: افسوس! میں اپنی رات اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں گزارتا ہوں مسلمانوں میں سے ایک قوم مجھ سے ڈرتی ہے، اے اللہ! میں نے توبہ کر لی ہے اور میں نے اپنی توبہ اس طرح کی ہے کہ

میں تیرے بیت اللہ میں ہی رہوں گا۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا بنجر زمین کو بارش کے ساتھ اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے۔ صالح مری نے کہا: دلوں کی سختی کے بعد ان کو نرم کر دیتا ہے۔ جعفر بن محمد نے کہا: ظلم کے بعد عدل کے ساتھ زندہ کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کافر کو ایمان کی طرف ہدایت دے کر زندہ کرتا ہے جب کہ کفر اور گمراہی کے ساتھ اسے مارتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسی طرح اللہ تعالیٰ امتوں میں سے مردوں کو زندہ کرتا ہے ان میں سے جو خشوع والے دل ہیں اور سخت دل ہیں ان میں فرق کرتا ہے۔

قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ زمین کے مردہ ہونے کے بعد انہیں زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلیل ہے کہ وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے۔

اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَ الْمُصَّدِّقٰتِ وَ اَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَهُمْ وَ لَهُمْ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ۝ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖۤ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ ۖۗ وَ الشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَ نُوْرُهُمْ ؕ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ۝

"بے شک صدقہ دینے والے اور صدقہ دینے والیاں اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دیا کئی گنا بڑھا دیا جائے گا ان کے لیے (ان کا مال) اور انہیں فیاضانہ اجر ملے گا۔ اور جو لوگ ایمان لائے اللہ اور اس کے رسولوں پر وہی (خوش نصیب) اللہ کی جناب میں صدیق اور شہید ہیں، ان کے لیے (خصوصی) اجر اور ان کا (مخصوص) نور ہے، اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی لوگ تو دوزخی ہیں"۔

اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَ الْمُصَّدِّقٰتِ ابن کثیر اور ابو بکر نے عاصم سے دونوں میں صاد کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے یہ تصدیق سے مشتق ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو نازل کیا اس کی وہ تصدیق کرتے ہیں باقی نے اسے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اصل میں یہ المتصدقین اور المتصدقات تھا تاء کو صاد میں مدغم کیا گیا ہے اسی وجہ سے فرمایا: وَ اَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا صدقہ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے ساتھ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو قرضہ حسنہ دیا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: قرآن حکیم میں جہاں بھی قرض حسن کا ذکر ہے اس سے مراد نفل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد عمل صالح ہے وہ صدقہ ہو یا کوئی اور صورت ہو جب کہ وہ ثواب کی نیت رکھتا ہو اور اپنی نیت میں سچا ہو۔ فعل کا عطف اسم پر کیا گیا ہے کیونکہ وہ اسم فعل کے حکم میں ہے مراد ہے ان الذین صدقوا و اقرضوا ہے۔ یُّضٰعَفُ لَهُمْ انہیں اس کا کئی گنا عطا کیا جائے گا۔ عام قرأت عین کے فتحہ کے ساتھ ہے اور یہ فعل مجہول کا صیغہ ہے۔ اعمش نے اسے یضاعفه پڑھا ہے۔ ابن کثیر، ابن عامر اور یعقوب نے یُضعّفُ پڑھا ہے۔ وَ لَهُمْ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ۝ مراد جنت ہے۔

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖۤ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ ۖۗ وَ الشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَ نُوْرُهُمْ،

الشُّهَدَآءُ کے بارے میں اختلاف ہے کیا یہ ماقبل سے مقطوع ہے یا متصل ہے؟ مجاہد اور زید بن اسلم نے کہا: شہداء اور صدیقین ہی مومنین ہیں اور یہ ماقبل سے متصل ہے اسی کی ہم معنی روایت نبی کریم ﷺ سے مروی ہے۔ اس اعتبار سے الصِّدِّيْقُوْنَ پر وقف نہیں کیا جائے گا؛ آیت کی تاویل میں یہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ قشیری نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ (النساء:69) صدیقین کا مرتبہ ہی انبیاء کے بعد ہوتا ہے، شہداء ہی وہ لوگ ہیں جو صدیقین کے بعد کا درجہ رکھتے ہیں اور صالحین کا درجہ شہداء کے بعد ہوتا ہے تو یہ جائز ہے کہ یہ آیت ان کے بارے میں ہو جنہوں نے رسولوں کی تصدیق کی میری مراد ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ تو شہداء کا معنی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دیں۔ تو ایک صدیق دوسرے صدیق سے درجات میں بلند ہوگا جس طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جنت اعلیٰ کے مکین اپنے سے کم مرتبہ جنتیوں کو یوں دیکھیں گے جس طرح تم میں سے کوئی ستارے کو آسمان کے افق میں دیکھتا ہے'' حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ان میں سے ہیں اور فضیلت میں بڑھ کر ہیں۔

حضرت ابن مسعود اور مسروق سے روایت مروی ہے کہ شہداء صدیقین کے علاوہ ہیں۔ اس تاویل کی بناء پر شہداء ماقبل سے منفصل ہیں اور وقف اللہ تعالیٰ کے فرمان الصِّدِّيْقُوْنَ پر اچھا ہے۔ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ کا معنی ہے ان کے لیے ان کے انفس کا اجر اور نور ہوگا۔ ان کے بارے میں دو قول ہیں۔

(۱) وہ رسل ہیں وہ اپنی امتوں کے بارے میں تصدیق اور تکذیب کی گواہی دیں گے؛ یہ کلبی کا قول ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝ (النساء) (۲) وہ رسولوں کی امتیں ہیں وہ قیامت کے روز گواہی دیں گے جس کے بارے میں گواہی دیں گے اس میں دو قول ہیں (۱) وہ اپنے بارے میں گواہی دیں گے جو وہ طاعت و معصیت کا عمل کرتے رہے؛ یہ مجاہد کے قول کا معنی ہے (۲) وہ انبیاء کے بارے میں گواہی دیں گے کہ انہوں نے اپنی امتوں کو رسالت کی تبلیغ کی؛ یہ کلبی کا قول ہے۔ مقاتل نے ایک تیسرا قول بھی کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونے والے ہیں، اس کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے اس سے مراد مومنوں کے شہید لیے ہیں۔ واؤ ابتداء کی واؤ ہے۔ اس قول کی بنا پر صدیقین شہداء سے الگ ہیں ان کی تعیین میں اختلاف ہے۔ ضحاک نے کہا: وہ آٹھ افراد ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی شیر خدا، حضرت زید، حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہم۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی موافقت کی جب آپ نے نبی کریم ﷺ کی تصدیق کی اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے ساتھ ملا دیا۔ مقاتل بن حیان نے کہا: صدیقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو رسولوں پر ایمان لائے، آنکھ جھپکنے کے برابر بھی ان کی تکذیب نہ کی جس طرح آل فرعون کا مومن، صاحب آل یاسین، حضرت ابوبکر صدیق اور اصحاب اخدود (خندقوں والے)۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ آیات سے مراد رسل اور معجزات ہیں اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ ان کے لیے نہ اجر ہے اور نہ ہی نور ہے۔

اِعْلَمُوْۤا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ ؕ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ سَابِقُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

''خوب جان لو کہ دنیاوی زندگی محض کھیل، تماشا اور (سامان) آرائش ہے اور آپس میں (حسب ونسب پر) اترانا اور ایک دوسرے سے زیادہ مال اور اولاد حاصل کرنا، اس کی مثال یوں سمجھو جیسے بادل برسے اور نہال کر دے کسانوں کو اس کی (شاداب سرسبز) کھیتی ہو وہ (یکا یک) سوکھنے لگے تو تو اسے دیکھے کہ اس کا رنگ زرد پڑ گیا ہے پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے، اور (دنیا پرستوں کے لیے) آخرت میں سخت عذاب ہوگا۔ اور (خدا پرستوں کے لیے) الله کی بخشش اور (اس کی) خوشنودی ہوگی، اور نہیں ہے دنیوی زندگی مگر نرا دھوکہ۔ تیزی سے آگے بڑھو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور ایسی جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی کے برابر ہے جو تیار کر دی گئی ہے ان کے لیے جو ایمان لے آئے الله پر اور اس کے رسولوں پر، یہ الله کا فضل (وکرم) ہے عطا فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے، اور الله تعالیٰ بڑا ہی فضل فرمانے والا ہے''۔

اِعْلَمُوْۤا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ اتصال کی صورت یہ ہے کہ انسان بعض اوقات قتل اور موت کے خوف سے جہاد ترک کر دیتا ہے۔ اس امر کو بیان کیا کہ دنیاوی زندگی حقیر چیز ہے اس لیے مناسب نہیں کہ جو چیز باقی رہنے والی نہیں اس کے خوف سے الله تعالیٰ کے امر کو ترک کر دیا جائے۔ ما زائد ہے تقدیر کلام یہ ہے جان لو دنیاوی زندگی باطل، کھیل اور خوشی کا لہو ہے پھر یہ ختم ہو جائے گا۔ قتادہ نے کہا: لعب ولہو کا معنی ہے کھانا اور پینا۔

مجاہد نے کہا: یہ لعب لہو ہے۔ سورۃ الانعام میں یہ معنی گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لعب سے مراد ہے جو دنیا میں رغبت پیدا کرے اور لہو سے مراد ہے جو آخرت سے غافل کر دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لعب سے مراد مال جمع کرنا اور لہو سے مراد عورتیں ہیں۔ وَّ زِيْنَةٌ زینت سے مراد وہ چیز ہے جس سے زینت حاصل کی جاتی ہے۔ کافر دنیا سے زینت حاصل کرتا ہے اور آخرت کے لیے عمل نہیں کرتا اسی طرح وہ شخص جو الله تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز سے زینت حاصل کرتا ہے۔

وَّ تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ یعنی تم میں سے بعض بعض پر اس کے ذریعے فخر کرتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خلقت اور قوت پر فخر کرتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عربوں کی عادت کے مطابق انساب پر فخر کرتے ہو۔ صحیح مسلم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ''الله تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ تم باہم تواضع کرو یہاں تک کہ کوئی دوسرے پر سرکشی نہ کرے اور کوئی

دوسرے پر فخر نہ کرے''۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہے: ''میری امت میں چار چیزیں جاہلیت سے تعلق رکھتی ہیں انساب پر فخر کرنا''۔ یہ تمام باتیں پہلے گزر چکی ہے۔

وَ تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ کیونکہ دور جاہلیت کی عادت تھی کہ بیٹوں اور اموال پر فخر کیا جاتا تھا مومنین کا فخر ایمان اور طاعت پر ہے۔ بعض متاخرین نے کہا: لعب سے مراد بچوں کا کھیلنا ہے اور لہو سے مراد نوجوانوں کا لہو ہے۔ زِيْنَةٌ عورتوں کی زینت ہے، تفاخر سے مراد ساتھیوں کا فخر کرنا ہے، تکاثر سے مراد تاجروں کا مال پر فخر کرنا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: دنیا انہیں چیزوں کی طرح زائل اور فنا ہونے والی ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت عمار سے فرمایا: دنیا کے بارے میں غمگین نہ ہو کیونکہ دنیا چھ چیزیں ہیں ماکول، مشروب، ملبوس، مشموم (جس کو سونگھا جائے) مرکوب، منکوح۔ بہترین کھانا شہد ہے یہ مکھی کا لعاب ہے، اکثر مشروب پانی ہے اس میں تمام حیوانات برابر ہیں، بہترین لباس ریشم ہے یہ کیڑے کا بنا ہوتا ہے، افضل خوشبو کستوری ہے یہ نافہ کا خون ہوتا ہے، بہترین سواری گھوڑا ہے اس پر سوار ہو کر لوگ قتل ہوتے ہیں، بہترین نکاح کی گئی عورتیں ہیں وہ بول کا محل بول کے محل میں ہوتا ہے۔ اللہ کی قسم! عورت اپنے بہترین حصہ کو مزین کرتی ہے جس کے ساتھ اس کے قبیح ترین حصہ کا ارادہ کیا جاتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی مثال ایسی کھیتی سے دی جس پر بارش ہوئی ہو، فرمایا: كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ، غَيْثٍ سے مراد بارش ہے یہاں کفار سے مراد کاشتکار ہیں کیونکہ وہ بیج کو زمین میں دباتے ہیں۔ معنی ہے دنیاوی زندگی اس کھیتی کی مانند ہے جو زیادہ بارشوں کے باعث اپنی سرسبزی کے ساتھ دیکھنے والوں کو خوش کرتی ہے پھر وہ تھوڑے وقت میں ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے گویا وہاں کوئی کھیتی تھی ہی نہیں۔ جب وہ کاشتکاروں کو خوش کرتی ہے تو اس وقت حد درجہ حسین ہوتی ہے۔ اس کی مثل گفتگو سورۂ یونس اور سورۂ کہف میں گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں کفار سے مراد اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے والے ہیں کیونکہ مومنین کے مقابلہ میں وہ دنیا کی زینت سے زیادہ خوش ہونے والے ہیں۔ یہ بہت اچھا قول ہے کیونکہ اعجاب (خوش ہونا) اصل میں ان کے لیے اور انہی میں ہوتا ہے اور انہیں سے یہ چیز ظاہر بھی ہوتی ہے وہ دنیا اور مافیہا کی عظمت بجا لاتا ہے موحدین میں تو اس کی حیثیت فرع کی سی ہوتی ہے جو ان کی شہوات سے جنم لیتی ہے۔ جب وہ آخرت کا ذکر کرتے ہیں تو ان کے نزدیک یہ کم ہو جاتی ہے۔ یہاں کاف کا محل رفع ہے کیونکہ یہ صفت ہے ثُمَّ يَهِيْجُ یعنی سرسبز و شاداب ہونے کے بعد وہ خشک ہو جاتی ہے۔ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا جو اس پر ترو تازگی تھی وہ متغیر ہو جاتی ہے ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا وہ ٹکڑے ٹکڑے اور تنکا ہو جاتی ہے اس کے بعد اس کا حسن جاتا رہتا ہے اسی طرح کافر کی دنیا ہے۔ وَ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ یعنی کافروں کے لیے آخرت میں شدید عذاب ہے۔ اس پر وقف بہت اچھا ہے پھر کلام سے آغاز ہو گا وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ یعنی یہ مومنین کے لیے ہے۔ فراء نے کہا: فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّ مَغْفِرَةٌ (الحدید: 28) اس میں تقدیر کلام یہ ہے اِمّا عذاب شدید واِمّا مغفرۃ تو لفظ شدید پر کوئی وقف نہیں کیا جائے گا۔

وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۝ یہ سابقہ کلام کی تاکید ہے یعنی دنیاوی زندگی کفار کو دھوکہ میں ڈالتی ہے جہاں

تک مومن کا تعلق ہے دنیا اس کے لیے ایسی متاع ہے جو اسے جنت تک پہنچانے والی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے دنیاوی زندگی کے لیے عمل دھوکے کا بیان ہے یہ دنیا کے لیے عمل کرنے سے روکنا اور آخرت کے لیے عمل میں رغبت دلانا ہے۔

سَابِقُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اعمال صالحہ کی طرف جلدی کرو جو تمہارے لیے تمہارے رب کی مغفرت کو ثابت کر دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: توبہ کی طرف جلدی کرو کیونکہ یہ عمل مغفرت کی طرف لے جاتا ہے؛ یہ کلبی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ؛ یہ مکحول کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد پہلی صف ہے۔

وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اگر انہیں ایک دوسرے کے ساتھ ملایا جائے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مراد ہے تمام زمین اور تمام آسمان ایک دوسرے کے ساتھ پھیلا دیئے جائیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہر ایک آدمی کے لیے اتنی وسیع جنت ہوگی۔ ابن کیسان نے کہا: مراد جنتوں میں سے ایک جنت ہے۔ عرض، طول سے کم ہوتا ہے۔ عربوں کی عادت ہے کہ وہ کسی شی کی وسعت کو عرض سے تعبیر کرتے ہیں اس کی طوالت سے تعبیر نہیں کرتے؛ شاعر نے کہا:

كَاَنَّ بِلَادَ اللّٰهِ وَهِيَ عَرِيْضَةٌ عَلَى الْخَائِفِ الْمَطْلُوْبِ كِفَّةُ حَابِلِ

گویا اللہ تعالیٰ کے ملک جب کہ وہ بڑے وسیع وعریض ہیں خوفزدہ اور مطلوب شخص کے لیے شکاری کا پھندہ ہیں۔

یہ سب آل عمران میں بحث گزر چکی ہے۔ طارق بن شہاب نے کہا: اہل حیرہ میں سے ایک جماعت نے حضرت عمر بن تنہ سے عرض کیا: اللہ تعالیٰ کا فرمان وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ کو پیش نظر رکھتے ہوئے بتایئے جہنم کہاں ہے؟ حضرت عمر بن تنہ نے انہیں فرمایا: بتاؤ جب رات چلی جاتی ہے اور دن آجاتا ہے تو رات کہاں ہوتی ہے؟ انہوں نے عرض کی: تو رات میں جو کچھ ہے اسی کو آپ نے اخذ کیا ہے۔

اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ یہاں صرف ایمان کی شرط ہے کوئی اور شرط نہیں اس میں امید کو تقویت دی گئی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں ایمان کی شرط ذکر کی اور سورۂ آل عمران میں اضافہ کیا فرمایا اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ (آل عمران)

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ یعنی جنت کو حاصل نہیں کیا جا سکتا اور اس میں داخل نہیں ہوا جا سکتا مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل کے ساتھ ہی اس میں داخل ہوا جا سکتا ہے۔ یہ بحث سورۂ اعراف وغیرہ میں گزر چکی ہے۔ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَ لَا تَفْرَحُوْا بِمَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ۝ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝

"نہیں آئی کوئی مصیبت زمین پر اور نہ تمہاری جانوں پر مگر وہ لکھی ہوئی ہے کتاب میں اس سے پہلے کہ ہم ان کو پیدا کریں، بے شک یہ بات اللہ کے لیے بالکل آسان ہے (ہم نے تمہیں یہ اس لیے بتا دیا ہے) کہ تم غمزدہ نہ

ہو اس چیز پر جو تمہیں نہ ملے اور نہ اترانے لگو اس چیز پر جو تمہیں مل جائے، اور اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کسی مغرور، شیخی باز کو، جو لوگ خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں، اور جو (اللہ کے حکم سے) روگردانی کرے تو بے شک اللہ ہی بے نیاز ہر تعریف کا مستحق ہے"۔

مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ مقاتل نے کہا: مصیبت سے مراد قحط، نباتات اور پھلوں کی قلت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کھیتی میں آفات ہیں۔ وَ لَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ مراد جو تمہیں بیماریاں لاحق ہوتی ہیں؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حدود کا قائم کرنا ہے؛ یہ ابن حبان کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد معاش کی تنگی ہے۔ یہ وہ معنی ہے جسے ابن جریج نے روایت کیا ہے۔ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مراد لوح محفوظ ہے۔ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا، ھا ضمیر نفوس، الارض، المصائب یا سب کی طرف لوٹ رہی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے قبل اس کے کہ وہ مصیبت کو پیدا کرے۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس سے قبل کہ وہ زمین اور نفس کو پیدا کرے۔ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ یعنی ان تمام چیزوں کو پیدا کرنا اور ان کی حفاظت کرنا اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔ ربیع بن سالم نے کہا: جب حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کو پکڑ لیا گیا تو میں رونے لگا انہوں نے فرمایا: کس چیز نے تجھے رلایا ہے؟ میں نے کہا: میں آپ کے ساتھ جو سلوک دیکھتا ہوں اور جس کی طرف آپ جا رہے ہیں اس کو دیکھ کر رو رہا ہوں۔ فرمایا: نہ رو اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ ایسا ہوگا کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا فرمان نہیں سنا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت ماقبل کے ساتھ متصل ہے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اس امر کو آسان کر دیا جو انہیں جہاد میں قتل اور زخم کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اس امر کی وضاحت کی کہ اموال کی محافظت جو انہیں جہاد سے روکتی ہے اور ان اموال میں جو نقصان ہوا ہے سب مکتوب و مقدر ہے اس کو روکنے والا کوئی نہیں، بندے کے ذمہ امر کی اطاعت ہے۔ پھر انہیں ادب سکھایا تو یہ ارشاد فرمایا: لِّكَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ یعنی تم سے جو رزق فوت ہوا ہے اس پر تم غمگین نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے جب وہ جانتے ہیں کہ رزق کے بارے میں فیصلہ ہو چکا ہے تو ان کے ہاتھ سے جو چیز نکل چکی ہے اس پر وہ غمگین نہ ہوں گے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت مروی ہے: لایجد أحدکم طعم الایمان حتی یعلم أن ما أصابه لم یکن یخطئه وما أخطاه لم یکن لیصیبه تم میں سے کوئی آدمی ایمان کا ذائقہ نہیں پا سکتا یہاں تک کہ وہ یہ جان لے کہ اسے جو مصیبت پہنچی ہے وہ چھوٹنے والی نہ تھی اور جو نہیں پہنچی وہ پہنچنے والی نہ تھی۔ پھر لِّكَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ کی قرآت کی۔ یعنی دنیا میں سے جو چیز تمہارے ہاتھ سے نکل چکی ہے اس پر غمگین نہ ہو کیونکہ یہ تمہارے حق میں مقدر نہ تھی اگر تمہارے حق میں مقدر ہوتی تو وہ تم سے فوت نہ ہوتی۔

وَ لَا تَفْرَحُوْا بِمَاۤ اٰتٰىكُمْ یعنی دنیا میں سے جو چیز تمہیں ملتی ہے اس پر خوش نہ ہو؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ حضرت سعید بن جبیر نے کہا: جو تمہیں عافیت اور خوشحالی ملی ہے۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: کوئی آدمی نہیں مگر وہ غمگین بھی ہوتا ہے اور خوش بھی ہوتا ہے۔ لیکن مومن اپنی مصیبت کو صبر اور غنیمت کو شکر بنا دیتا ہے۔ حزن

اور خوشی جن سے منع کیا گیا ہے وہ دونوں ایسی چیزیں ہیں جن میں ایسی چیز کی طرف تجاوز کیا جاتا ہے جو جائز نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ اسے دنیا میں سے جو عطا کیا گیا ہے اس کے ساتھ تکبر کرنے والا ہے اور اس کے ذریعے لوگوں پر فخر کرتا ہے۔ عام قرأت آتاکم ہے یعنی الف مد کے ساتھ ہے یعنی اس نے تمہیں دنیا میں سے جو چیز عطا کی؛ ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے۔ ابو العالیہ، نصر بن عاصم اور ابو عمرو نے اتاکم الف کے قصر کے ساتھ اسے پڑھا ہے ابو عبید نے اسے پسند کیا ہے معنی ہے جو تمہارے پاس آئے۔ یہ اتاکم، فاتکم کا معادل ہے۔ اسی وجہ سے افاتکم نہیں فرمایا۔ حضرت جعفر بن محمد صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: اے انسان! تجھے کیا ہو گیا ہے تو مفقود چیز پر غمگین ہوتا ہے یہ غم کرنا فوت شدہ چیز کو تیری طرف واپس نہیں لوٹائے گا اور موجود چیز پر خوش نہ ہو کیونکہ موت اسے تیرے ہاتھ میں نہ چھوڑے گی۔ بزرجمہر سے کہا گیا: اے حکیم! تجھے کیا ہو گیا ہے تو فوت ہونے والی چیز پر غمگین نہیں ہوتا اور حاصل ہونے والی چیز پر خوش نہیں ہوتا؟ اس نے جواب دیا: فوت ہونے والی چیز آنسوؤں سے نہیں ملتی اور آنے والی چیز خوشی سے باقی نہیں رہتی۔ حضرت فضیل بن عیاض نے اسی بارے میں کہا: دنیا ہلاک کرنے والی اور فائدہ پہنچانے والی ہے جس کو ہلاک کر دے وہ چیز لوٹنے والی نہیں اور جس کا فائدہ پہنچائے تو اس کے کوچ کا اعلان کرتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: مختال اسے کہتے ہیں جو اپنی ذات کی طرف افتخار کی آنکھ سے دیکھتا ہے اور فخورا سے کہتے ہیں جو لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ دو مشرک خفی ہیں فخور مصراۃ کی طرح ہے جس کے تھنوں کو باندھا جاتا ہے تاکہ ان میں دودھ جمع ہو جائے اور مشتری کو وہم ہو کہ یہی اس کا معمول ہے اسی طرح وہ شخص جو اپنے اندر زینت و جمال دیکھتا ہے اس کے ساتھ وہ اس کا دعویٰ بھی کرتا ہے تو اسے فخور کہتے ہیں۔

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ یعنی وہ مختال کو پسند نہیں کرتا جو بخل کرتے ہیں۔ الذین محل جر میں ہے اور یہ مختال کی صفت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے تقدیر کلام یہ ہے الذین یبخلون فاللہ غنی عنھم۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد یہودیوں کے رئیس ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی صفات کو بیان کرنے سے بخل کرتے تھے جو صفات ان کی کتابوں میں موجود تھیں تاکہ لوگ آپ کی ذات پر ایمان نہ لے آئیں تاکہ ان کا کھاجہ ختم نہ ہو جائے؛ یہ سدی اور کلبی کا قول ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: جو علم کے بارے میں بخل کرتے وَيَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ اور لوگوں کو بھی یہ کہتے کہ وہ لوگوں کو کسی شی کی تعلیم نہ دیں۔

زید بن اسلم نے کہا: مراد اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی میں بخل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد صدقہ اور حقوق میں بخل ہے؛ یہ عامر بن عبد اللہ اشعری کا قول ہے۔ طاؤس نے کہا: مراد ہے ان کے پاس جو کچھ ہوتا ہے اس میں بخل کرتے ہیں۔ یہ تینوں قول قریب المعنی ہیں۔

اصحاب خواطر نے بخل اور سخاوت میں لوگوں کو دو فریقوں میں تقسیم کیا ہے (۱) بخیل وہ ہے جو مال روکنے کے ساتھ لذت حاصل کرتا ہے اور سخی وہ ہے جو مال عطا کر کے لذت حاصل کرتا ہے (۲) بخیل وہ ہے جو سوال کرنے کی صورت میں عطا کرتا ہے اور سخی وہ ہے جو سوال کے بغیر عطا کرتا ہے۔

وَ مَنْ يَّتَوَلَّ جو ایمان سے اعراض کرے فَاِنَّ اللّٰهَ تو اللہ تعالیٰ اس سے غنی ہے۔ یہ بھی جائز ہے جب اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو صدقہ کرنے پر برانگیختہ کیا تو لوگوں کو بتایا کہ جو لوگ بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل کا حکم دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے غنی ہے۔ عام قرأت بِالبُخل ہے یعنی باء مضموم اور فاء ساکن ہے۔ حضرت انس، عبید بن عمیر، یحییٰ بن یعمر، مجاہد، حمید، ابن محیصن، حمزہ اور کسائی نے بالبَخَل دو فتحوں کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ انصار کی لغت ہے۔ ابو العالیہ اور ابن سمیقع نے بالبَخْلِ پڑھا ہے یعنی باء مفتوح اور خاء ساکن ہے۔ یہ انصار کی لغت ہے۔ نصر بن عاصم نے البُخُل دو ضموں کے ساتھ پڑھا ہے۔ سب کی سب مشہور لغتیں ہیں۔ سورۂ آل عمران کے آخر میں بخل اور شح میں فرق گزر چکا ہے۔

نافع اور ابن عامر نے فَاِنَّ اللّٰهَ الغَنِيُّ الحَمِيدُ، ھو کے بغیر پڑھا ہے باقی قراء نے ھو الغنی پڑھا ہے یہ ضمیر فصل ہے یہ بھی جائز ہے۔ کہ یہ ضمیر مبتدا ہو اور الغنی اس کی خبر ہو اور جملہ اِنَّ کی خبر ہو۔ جس نے اس کو حذف کیا ہے تو بہتر یہ ہے کہ یہ ضمیر فصل ہو کیونکہ ضمیر فصل کا حذف مبتدا کے حذف سے آسان ہوتا ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَ جَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾

”یقیناً ہم نے بھیجا ہے اپنے رسولوں کو روشن دلیلوں کے ساتھ اور ہم نے اتاری ہے ان کے ساتھ کتاب اور میزان (عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے پیدا کیا ہے لوہے کو اس میں بڑی قوت ہے اور طرح طرح کے فائدے ہیں لوگوں کے لیے اور (یہ سب اس لیے) تاکہ دیکھ لے اللہ تعالیٰ کہ کون مدد کرتا ہے اس کی اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا زور آور، سب پر غالب ہے۔ اور ہم نے نوح اور ابراہیم (علیہما السلام) کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ہم نے رکھ دی ان دونوں کی نسل میں نبوت اور کتاب پس ان میں چند تو ہدایت یافتہ ہیں اور ان میں سے بہت سے نافرمان ہیں“۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ، بینات سے مراد واضح معجزات اور ظاہر شرائع ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عبادت میں اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص، نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا ہے۔ رسولوں نے اس امر کی دعوت دی یہ سلسلہ حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جاری رہا۔

وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ کتاب سے مراد کتب ہیں یعنی ہم نے ان کی طرف ان سے پہلوں کی خبریں وحی کیں۔ وَالْمِيْزَانَ ابن زید نے کہا: اس سے مراد وہ چیز ہے جس کے ساتھ وزن کیا جاتا ہے اور معاملہ کیا جاتا ہے۔ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ یعنی معاملات میں عدل کریں۔ اس کا فرمان بِالْقِسْطِ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ مراد معروف میزان ہے۔ ایک قوم نے کہا: مراد عدل ہے۔ قشیری نے کہا: جب ہم نے اسے معروف میزان پر محمول کیا تو معنی ہوگا ہم نے کتاب کو نازل کیا اور

میزان رکھا، یعنی الْمِیْزَانَ سے پہلے وضعنا کا لفظ محذوف ہے جس طرح اس جملہ میں ماء باردا اس سے پہلے فعل محذوف ہے:

علفتها تبنا و ماء باردا

اسی قول پر اللہ تعالیٰ کا فرمان وَ السَّمَآءَ رَفَعَهَا وَ وَضَعَ الْمِیْزَانَ ۝ (الرحمٰن) دلالت کرتا ہے پھر فرمایا: وَ اَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ (الرحمٰن: 9) اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے آسمان سے زمین کی طرف چار برکتیں نازل کیں۔ لوہا، آگ، پانی اور نمک''۔

عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: تین چیزیں ایسی ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ نازل ہوئیں۔ حجر اسود یہ برف سے بھی زیادہ سفید تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا جو جنت کی آس کی لکڑی کا تھا اس کی لمبائی دس ہاتھ تھی جس قدر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قد مبارک تھا اور لوہا اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ تین چیزیں نازل فرمائیں۔ آہرن، لوہار کا زنبور اور ہتھوڑا یعنی مطرقہ ہے؛ ماوردی نے اسے ذکر کیا ہے۔ ثعلبی نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اترے جب کہ ان کے ساتھ لوہے کی پانچ چیزیں تھیں جو لوہاروں کے آلات میں شمار ہوتی ہیں آہرن، زنبور، بڑا ہتھوڑا، ہتھوڑا اور سوئی۔ ہتھوڑا جس کے ساتھ کوٹا جاتا ہے یوں اس کا باب ذکر کیا جاتا ہے وقعت الحدیدۃ أقعها یعنی میں نے اسے کوٹا۔ صحاح میں ہے میقعہ اس جگہ کو بھی کہتے ہیں جس جگہ سے باز مانوس ہوتا ہے اور اس پر گرتا ہے اور دھوبی کی لکڑی کو بھی کہتے ہیں جس پر وہ کپڑے کو مارتا ہے اور لمبی سان۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ لوہا منگل کو نازل کیا گیا۔ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ یعنی خون بہانے کے لیے اس میں بڑی طاقت ہے اسی وجہ سے منگل کے روز فصد کرانے اور پچھنے لگانے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ یہ ایسا دن ہے جس میں خون بہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ ''منگل کے روز ایسی گھڑی ہے جس میں خون نہیں رکتا'' (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا: اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ کا معنی ہے ہم نے اسے پیدا کیا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ (الزمر: 6) یہ حضرت بصری کا قول ہے: پس لوہا زمین سے ہے اسے آسمان سے نازل نہیں کیا گیا۔

علماء معانی نے کہا: لوہے کو معدن سے نکالا اور حضرت آدم علیہ السلام کو وحی کے ذریعے صنعت کا علم سکھایا۔ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ یعنی اسلحہ اور ڈھال۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں قتل کے ڈر سے شدید خوف ہے۔

وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ مجاہد نے کہا: اس سے مراد ڈھال ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: لوگ لوہے سے بنی ضرورت کی چیزوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں جس طرح چھری، کلہاڑا، سوئی وغیرہ۔ وَ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ لوہے کو اتارا تا کہ اللہ تعالیٰ جان لے کون اس کی مدد کرتا ہے؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا عطف لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ پر ہے یعنی ہم نے رسولوں کو بھیجا، ان کے ساتھ کتاب نازل کی اور ان چیزوں کو پیدا کیا تا کہ لوگ حق و انصاف سے معاملہ کریں اور اس لیے تا کہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطب باب ما تستحب الحجامة، حدیث نمبر 3364، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کون اس کے دین کی مدد کرتا ہے؟ - وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ اور کون اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ان کی مدد کرتے ہیں وہ ان کو جھٹلاتے نہیں اور وہ ان پر ایمان لاتے ہیں جب کہ انہیں دیکھتے نہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ۝ وہ پکڑنے میں قوی ہے اور غالب ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بالغیب سے مراد اخلاص ہے۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِیْمَ پہلے جس کا ذکر اجمالی طور پر ہوا تھا کہ اس نے کتابوں کے ساتھ رسول بھیجے اب تفصیل بیان کی اور یہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کو رسول بنا کر بھیجا اور نبوت ان کی نسل میں رکھی۔

وَ جَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ ہم نے ان کی اولاد میں سے بعض کو انبیاء بنایا اور بعض کو امی بنادیا جو آسمان سے نازل ہونے والی کتابوں کی تلاوت کرتے ہیں وہ تورات، انجیل زبور اور فرقان ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کتاب سے قلم کے ساتھ لکھنا ہے۔ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ یعنی جس نے حضرت ابراہیم اور حضرت نوح علیہ السلام کی اتباع کی وہ ہدایت یافتہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ان دونوں کی اولاد میں سے ہدایت یافتہ ہیں۔ وَ كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ۝ یعنی کافر طاعت سے خارج ہیں۔

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَ قَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ۬ وَ جَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّ رَحْمَةً ؕ وَ رَهْبَانِيَّةَ ِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ۝

''پھر ہم نے ان کے پیچھے ان کی راہ پر اور رسول بھیجے اور ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو اور انہیں انجیل عطا فرمائی اور ہم نے رکھ دی ان لوگوں کے دلوں میں جو عیسیٰ کے تابعدار تھے شفقت اور رحمت، اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کیا تھا ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا البتہ انہوں نے رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اسے اختیار کیا تھا پھر اسے وہ نباہ نہ سکے جیسے اس کے نباہنے کا حق تھا، پس ہم نے عطا فرمایا جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے (ان کے حسن عمل اور حسن نیت) کا اجر اور ان میں سے اکثر فاسق (وفاجر) تھے''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ، ھم ضمیر سے مراد ذریۃ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام ہیں۔ بِرُسُلِنَا مراد حضرت موسیٰ، حضرت الیاس، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت یونس علیہم السلام ہیں یعنی ان کے پیچھے ان انبیاء و رسل کو بھیجا۔

وَ قَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ یہ اپنی ماں کی جانب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ، انجیل سے مراد وہ کتاب ہے جو ان پر نازل کی گئی۔ اس کا مادہ اشتقاق سورۂ آل عمران کے آغاز میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَ جَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ اسم موصول سے مراد حواری اور تبعین ہیں جنہوں نے آپ کے دین کی اتباع کی۔ رَاْفَةً وَّ رَحْمَةً مراد محبت ہے وہ ایک دوسرے سے محبت کیا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ انہیں انجیل میں حکم دیا گیا کہ باہم صلح سے رہیں اور لوگوں کو اذیت نہ دیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ان کے دلوں کو نرم کر دیا۔ یہودیوں کا معاملہ مختلف ہے جن کے دل سخت ہو گئے اور انہوں نے کلمات کو اپنی جگہ سے بدل دیا۔ رَاْفَةً کا معنی نرمی اور رَحْمَةً کا معنی شفقت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رَاْفَةً کا معنی بوجھ میں کمی کرنا اور رحمت کا معنی بوجھ کو اٹھانا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رَاْفَةً رحمت کی شدید صورت ہے اور کلام مکمل ہو گئی۔ پھر فرمایا: وَ رَهْبَانِیَّةَ ابْتَدَعُوْهَا یعنی انہوں نے اپنی جانب سے رہبانیت کو گھڑ لیا ہے۔ احسن یہ ہے کہ رَهْبَانِیَّةَ کا لفظ مضمر فعل کی وجہ سے منصوب ہو۔ ابوعلی نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے ابتدعوا رهبانیة ابتدعوها۔ زجاج نے کہا: ابتدعوها رهبانیة جس طرح تو کہتا ہے رأیت زیدًا وعمرا کلمت۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا عطف رَاْفَةً وَّ رَحْمَةً پر ہے اس صورت میں معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ چیز عطا کی تو انہوں نے اسے تبدیل کر دیا اور اس میں بدعت کا سلسلہ شروع کیا۔ ماوردی نے کہا: اس میں دو قرأتیں ہیں ان میں سے ایک راء کے فتحہ کے ساتھ ہے جس کا معنی خوف ہے۔ یہ رهب سے مشتق ہے۔ دوسری قرأت راء کے ضمہ کے ساتھ ہے یہ رهبان کی طرف منسوب ہے جس طرح رضوانیه، رضوان سے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو مشقتوں پر برانگیختہ کیا کیونکہ انہوں نے کھانا، پینا، نکاح کرنا چھوڑ دیا اور گرجوں سے وابستہ ہو گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے بادشاہوں نے دین عیسوی کو تبدیل کر دیا تھا اور ایک چھوٹی سی جماعت رہ گئی تھی تو انہوں نے رہبانیت کو اختیار کر لیا اور اللہ تعالیٰ سے لو لگالی۔ ضحاک نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بادشاہوں نے حرام کردہ چیزوں کا ارتکاب کیا یہ سلسلہ تین سو سال تک چلتا رہا جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے طریقہ پر قائم تھے انہوں نے بادشاہوں کے طریقہ کار کو پسند نہ کیا تو بادشاہوں نے انہیں قتل کر دیا تو وہ لوگ جو ان کے بعد باقی رہ گئے انہوں نے کہا: جب ہم انہیں منع کرتے ہیں تو وہ ہمیں قتل کرتے ہیں اب ان کے ساتھ رہنا ہمارے لیے ممکن نہیں تو وہ لوگوں سے الگ تھلگ ہو گئے اور انہوں نے گرجے بنا لیے۔ قتادہ نے کہا: وہ رہبانیت جس کو انہوں نے اپنی جانب سے گھڑا تھا وہ عورتوں کو چھوڑنا اور گرجے بنانا تھا۔ مرفوع حدیث میں کہ ''رہبانیت جس کو انہوں نے اپنایا تھا وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں چلے جانا ہے''۔

مَا كَتَبْنٰهَا عَلَیْهِمْ ہم نے ان پر اسے فرض کیا تھا اور نہ ہی ہم نے انہیں اس کا حکم دیا تھا؛ یہ ابن زید کا قول ہے اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ یعنی ہم نے انہیں حکم نہیں دیا مگر اس چیز کا جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو؛ یہ ابن سلم کا قول ہے۔ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے ہم نے ان پر کسی چیز کو لازم نہیں کیا تھا۔ ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ یہ ھا ضمیر سے بدل ہے جو كَتَبْنٰهَا میں موجود ہے معنی ہے ہم نے اسے ان پر لازم نہیں کیا مگر اللہ تعالیٰ کی رضا کو لازم کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِلَّا ابْتِغَآءَ مستثنیٰ منقطع ہے تقدیر کلام یہ ہوگی ما کتبنا ها علیهم لکن ابتدعوها ابتغاء رضوان اللہ۔

فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَایَتِهَا یعنی انہوں نے اس کا حق ادا نہ کیا۔ یہ عام کی تخصیص ہے کیونکہ جن لوگوں نے رعایت نہ کی تھی

کون اس کے دین کی مدد کرتا ہے؟ ۔ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ اور کون اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ان کی مدد کرتے ہیں وہ ان کو جھٹلاتے نہیں اور وہ ان پر ایمان لاتے ہیں جب کہ انہیں دیکھتے نہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾ وہ پکڑنے میں قوی ہے اور غالب ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بالغیب سے مراد اخلاص ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ پہلے جس کا ذکر اجمالی طور پر ہوا تھا کہ اس نے کتابوں کے ساتھ رسول بھیجے اب تفصیل بیان کی اور یہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کو رسول بنا کر بھیجا اور نبوت ان کی نسل میں رکھی۔

وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ ہم نے ان کی اولاد میں سے بعض کو انبیاء بنایا اور بعض کو امی بنا دیا جو آسمان سے نازل ہونے والی کتابوں کی تلاوت کرتے ہیں وہ تورات، انجیل زبور اور فرقان ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کتاب سے قلم کے ساتھ لکھنا ہے۔ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ یعنی جس نے حضرت ابراہیم اور حضرت نوح علیہ السلام کی اتباع کی وہ ہدایت یافتہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ان دونوں کی اولاد میں سے ہدایت یافتہ ہیں۔ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾ یعنی کافر طاعت سے خارج ہیں۔

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾

''پھر ہم نے ان کے پیچھے ان کی راہ پر اور رسول بھیجے اور ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو اور انہیں انجیل عطا فرمائی اور ہم نے رکھ دی ان لوگوں کے دلوں میں جو عیسیٰ کے تابعدار تھے شفقت اور رحمت، اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کیا تھا ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا البتہ انہوں نے رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اسے اختیار کیا تھا پھر اسے وہ نباہ نہ سکے جسے اس کے نباہنے کا حق تھا، پس ہم نے عطا فرمایا جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے (ان کے حسن عمل اور حسن نیت) کا اجر اور ان میں سے اکثر فاسق (وفاجر) تھے''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1 ۔ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ، ھم ضمیر سے مراد ذریۃ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام ہیں۔ بِرُسُلِنَا مراد حضرت موسیٰ، حضرت الیاس، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت یونس علیہم السلام ہیں یعنی ان کے پیچھے ان انبیاء و رسل کو بھیجا۔

وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ یہ اپنی ماں کی جانب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ، انجیل سے مراد وہ کتاب ہے جو ان پر نازل کی گئی۔ اس کا مادہ اشتقاق سورۂ آل عمران کے آغاز میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَ جَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ اسم موصول سے مراد حواری اور متبعین ہیں جنہوں نے آپ کے دین کی اتباع کی۔ رَاْفَةً وَّ رَحْمَةً مراد محبت ہے، وہ ایک دوسرے سے محبت کیا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ انہیں انجیل میں حکم دیا گیا کہ باہم صلح سے رہیں اور لوگوں کو اذیت نہ دیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ان کے دلوں کو نرم کر دیا۔ یہودیوں کا معاملہ مختلف ہے جن کے دل سخت ہو گئے اور انہوں نے کلمات کو اپنی جگہ سے بدل دیا۔ رَاْفَةً کا معنی نرمی اور رَحْمَةً کا معنی شفقت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رَاْفَةً کا معنی بوجھ میں کمی کرنا اور رحمت کا معنی بوجھ کو اٹھانا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رَاْفَةً رحمت کی شدید صورت ہے اور کلام مکمل ہو گئی۔ پھر فرمایا: وَ رَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا یعنی انہوں نے اپنی جانب سے رہبانیت کو گھڑ لیا ہے۔ احسن یہ ہے کہ رَهْبَانِيَّةَ کا لفظ مضمر فعل کی وجہ سے منصوب ہو۔ ابو علی نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے ابتدعوها رهبانية ابتدعوها۔ زجاج نے کہا: ابتدعوها رهبانية جس طرح تو کہتا ہے رأیت زیدًا و عمرا کلمت۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا عطف رَاْفَةً وَّ رَحْمَةً پر ہے اس صورت میں معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ چیز عطا کی تو انہوں نے اسے تبدیل کر دیا اور اس میں بدعت کا سلسلہ شروع کیا۔ ماوردی نے کہا: اس میں دو قراءتیں ہیں ان میں سے ایک راء کے فتحہ کے ساتھ ہے جس کا معنی خوف ہے۔ یہ رهب سے مشتق ہے۔ دوسری قراءت راء کے ضمہ کے ساتھ ہے یہ رهبان کی طرف منسوب ہے جس طرح رضوانيه، رضوان سے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو مشقتوں پر برانگیختہ کیا کیونکہ انہوں نے کھانا، پینا، نکاح کرنا چھوڑ دیا اور گرجوں سے وابستہ ہو گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے بادشاہوں نے دین عیسوی کو تبدیل کر دیا تھا اور ایک چھوٹی سی جماعت رہ گئی تھی تو انہوں نے رہبانیت کو اختیار کر لیا اور اللہ تعالیٰ سے لو لگالی۔ ضحاک نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بادشاہوں نے حرام کردہ چیزوں کا ارتکاب کیا یہ سلسلہ تین سو سال تک چلتا رہا جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے طریقہ پر قائم تھے انہوں نے بادشاہوں کے طریقہ کار کو پسند نہ کیا تو بادشاہوں نے انہیں قتل کر دیا تو وہ لوگ جو ان کے بعد باقی رہ گئے انہوں نے کہا: جب ہم انہیں منع کرتے ہیں تو وہ ہمیں قتل کرتے ہیں اب ان کے ساتھ رہنا ہمارے لیے ممکن نہیں تو وہ لوگوں سے الگ تھلگ ہو گئے اور انہوں نے گرجے بنا لیے۔ قتادہ نے کہا: وہ رہبانیت جس کو انہوں نے اپنی جانب سے گھڑا تھا وہ عورتوں کو چھوڑنا اور گرجے بنانا تھا۔ مرفوع حدیث میں کہ "رہبانیت جس کو انہوں نے اپنایا تھا وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں چلے جانا ہے"۔

مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ نہ ہم نے ان پر اسے فرض کیا تھا اور نہ ہی ہم نے انہیں اس کا حکم دیا تھا؛ یہ ابن زید کا قول ہے اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ یعنی ہم نے انہیں حکم نہیں دیا مگر اس چیز کا جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو؛ یہ ابن سلم کا قول ہے۔ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے ہم نے ان پر کسی چیز کو لازم نہیں کیا تھا۔ ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ یہ ها ضمیر سے بدل ہے جو كَتَبْنٰهَا میں موجود ہے معنی ہے ہم نے اسے ان پر لازم نہیں کیا مگر اللہ تعالیٰ کی رضا کو لازم کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِلَّا ابْتِغَآءَ مستثنیٰ منقطع ہے تقدیر کلام یہ ہوگی ما کتبناها علیهم لکن ابتدعوها ابتغاء رضوان الله۔

فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا یعنی انہوں نے اس کا حق ادا نہ کیا۔ یہ عام کی تخصیص ہے کیونکہ جن لوگوں نے رعایت نہ کی تھی

وہ قوم کے کچھ افراد تھے انہوں نے رہبانیت کے ساتھ لوگوں پر حاکمیت چاہی اور ان کے اموال کھانا چاہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَیَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (التوبہ: 34) یہ ایسی قوم کے بارے میں ہے جنہیں رہبانیت آخر کار حکومت کی طلب کی طرف لے گئی۔

سفیان ثوری نے عطاء بن سائب سے وہ سعید بن جبیر سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں روایت کرتے ہیں وَ رَهْبَانِیَّةَ ابْتَدَعُوْهَا کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بادشاہوں نے تورات اور انجیل کو بدل دیا تھا ان میں مومن بھی تھے جو تورات اور انجیل کو پڑھا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دیا کرتے تھے تو کچھ لوگوں نے اپنے بادشاہوں سے کہا: کاش! تو اس جماعت کو قتل کر دیتا۔ مومنوں نے کہا: ہم تمہاری جانب سے اپنے نفسوں کو کافی ہیں۔ ایک طائفہ نے کہا: ہمارے لیے مینارہ بنادو اور ہمیں اس پر چڑھا دو اور ہمیں کوئی ایسی چیز دے دو جس کے ساتھ ہم اپنا کھانا اور اپنا پانی اوپر لے جاسکیں؛ ہم تمہارے پاس نہیں آئیں گے۔ ایک طائفے نے کہا: ہمیں چھوڑ دو ہم زمین میں گھومیں پھریں گے ہم اسی طرح پئیں گے جس طرح وحشی جانور پانی پیتے ہیں،۔ جب تمہیں ہمارے اوپر قدرت ہو تو تم ہمیں قتل کر دینا۔ ایک جماعت نے کہا: ہمارے لیے جنگلوں میں گھر بنادو ہم کنویں کھودیں گے اور سبزیاں کاشت کریں گے تم ہمیں نہیں دیکھو گے ان میں سے کوئی فرد نہیں تھا مگر ان لوگوں میں سے ایک جگری دوست تھا تو انہوں نے اس طرح کیا۔ وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے طریقہ پر چلتے رہے۔ ان کے بعد ایسے لوگ آئے جنہوں نے کتاب کو تبدیل کر دیا۔ انہوں نے کہا: ہم سیاحت کریں گے اور ہم اسی طرح عبادت کریں گے جس طرح وہ عبادت کیا کرتے تھے جب کہ وہ شرک پر قائم تھے انہیں ان لوگوں کے ایمان کا کچھ علم نہ تھا جن کی وہ اقتدا کر رہے تھے تو یہی اس ارشاد کا مفہوم ہے وَ رَهْبَانِیَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَیْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اس کا آغاز تو ان صالحین نے کیا تھا تو متاخرین نے اس کی کما حقہ رعایت نہ کی۔

فَاٰتَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ یعنی جنہوں نے اس کا آغاز کیا اور اس کی رعایت کی انہیں ہم نے اجر دیا وَ كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ۝ مراد متاخرین ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا تو ان لوگوں میں سے تھوڑے افراد ہی رہ گئے تھے تو وہ غاروں اور گرجوں سے نکل کر آئے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔

مسئلہ نمبر 3۔ یہ آیت اس امر پر دال ہے کہ ہر نئی چیز بدعت ہے جو آدمی اچھا کام شروع کرے اس کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ اس پر قائم دائم رہے اس کی ضد کی طرف نہ پھرے کہ وہ اس آیت میں داخل ہو جائے۔ حضرت ابوامامہ باہلی سے مروی ہے جن کا نام صدی بن عجلان تھا انہوں نے کہا: تم نے رمضان شریف کا قیام شروع کیا ہے جب کہ یہ تم پر فرض نہ تھا بے شک تم پر روزے فرض کیے گئے۔ جب تم نے یہ شروع کیا ہے تو اس پر دوام اختیار کرو اسے نہ چھوڑو۔ بے شک بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگوں نے ایسے امور کو شروع کیا اللہ تعالیٰ نے ان پر ان چیزوں کو لازم نہیں کیا تھا وہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے تھے تو انہوں نے اس کی کما حقہ رعایت نہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ترک کرنے پر ان پر عیب لگایا جس طرح اس ارشاد میں ذکر ہوا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ آیت میں گرجوں اور گھروں میں الگ تھلگ ہو کر بیٹھ جانے پر دلیل موجود ہے جب زمانہ میں فساد برپا ہو جائے اور دوست و بھائی بدل جائیں تو یہ امر مندوب ہوگا۔ اس کی وضاحت سورۂ کہف میں مفصل گزر چکی ہے۔ مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ہم ایک سریہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے کہا: ایک آدمی ایک غار کے پاس سے گزرا اس میں کچھ پانی موجود تھا اس کے دل میں خیال آیا کہ اس غار میں رہے اس میں جو پانی ہے اس سے قوت حاصل کرے اور اس کے اردگرد جو سبزیاں ہیں انہیں حاصل کرے اور دنیا سے کنارہ کش ہو جائے۔ کہا: اگر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں آپ سے یہ بات عرض کروں گا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اجازت دی تو میں ایسا کروں گا۔ بصورت دیگر ایسا نہیں کروں گا۔ وہ آدمی حاضر ہوا اور عرض کی: اے اللہ کے نبی! میں ایک غار کے پاس سے گزرا اس میں پانی اور سبزی تھی جو میری خوراک کے لیے کافی تھی میرے دل میں خیال آیا کہ میں اس میں رہوں اور دنیا سے کنارہ کش ہو جاؤں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مجھے یہودیت اور نصرانیت کے ساتھ نہیں بھیجا گیا بلکہ مجھے تو سیدھے سادے آسان دین کے ساتھ بھیجا گیا ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اللہ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام دنیا و مافیہا سے بہتر ہے تمہارا پہلی صف میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا اکیلے ساٹھ سال تک نماز پڑھنے سے بہتر ہے'' (1)۔

کوفیوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کیا تو جانتا ہے کہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ علم رکھنے والا کون ہے؟'' میں نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ''لوگوں میں سے زیادہ علم رکھنے والا وہ شخص ہے جو حق کے بارے میں لوگوں سے زیادہ بصیرت رکھتا ہو جب لوگ اس میں اختلاف کریں اگرچہ وہ عمل میں کوتاہی کرنے والا ہو اگرچہ وہ اپنی سرین پر گھسٹتا ہو۔ کیا تو جانتا ہے کہ بنی اسرائیل نے کہاں سے رہبانیت کو شروع کیا؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جابر ان پر غالب آ گئے وہ نافرمانیاں کیا کرتے تھے۔ اہل ایمان ان پر ناراض ہوئے تو جابروں نے ان سے جنگ کی اور تین دفعہ اہل ایمان کو شکست دی۔ تو ان میں سے تھوڑے ہی افراد بچے۔ انہوں نے کہا: اگر ان جابر لوگوں نے ہمیں فنا کر دیا تو دین کے لیے کوئی بھی نہ بچے گا جو اس دین کی طرف دعوت دے آؤ ہم زمین میں بکھر جائیں یہاں تک کہ نبی امی مبعوث ہو جس کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہم سے وعدہ کیا ہے۔ اس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد لیتے۔ وہ پہاڑوں کی غاروں میں بکھر گئے۔ انہوں نے رہبانیت کو شروع کیا ان میں سے کچھ حضرت عیسیٰ کے دین پر کاربند رہے اور کچھ نے کفر کیا اور اس آیت کی تلاوت کی۔ کیا تو جانتا ہے میری امت کے لیے رہبانیت کیا ہے؟ ہجرت، جہاد، روزہ، نماز، حج، عمرہ اور بلند و پست زمین پر تکبیر کہنا۔ اے ابن مسعود! تم میں سے قبل جو یہودی ہو گزرے ہیں وہ اکہتر فرقوں میں بٹے ان میں سے ایک فرقہ نے نجات پائی اور باقی ہلاک ہوئے، تم میں سے قبل جو نصاری ہوئے وہ بہتر فرقوں میں بٹے ان میں تین بچے باقی سب ہلاک ہو گئے۔ بادشاہوں نے ان سے مقابلہ کیا اور اللہ تعالیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر ان سے جنگ کی یہاں تک کہ انہیں قتل کر دیا ایک فرقہ ایسا تھا جن میں بادشاہ: دل سے

1۔ جامع ترمذی، کتاب ابواب الجہاد، باب ما جاء فی فضل الغدو والرواح فی سبیل اللہ، حدیث نمبر 1573، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مقابلہ کرنے کی ہمت نہ تھی وہ اپنی قوم میں ہی رہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کی طرف دعوت دی، بادشاہوں نے انہیں پکڑ لیا، انہیں قتل کیا اور انہیں آریوں کے ساتھ چیر دیا ایک جماعت ایسی تھی انہیں بادشاہوں کے ساتھ مقابلہ کی طاقت نہ تھی اور نہ یہ طاقت تھی کہ وہ اپنی قوم کے درمیان رہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کی طرف دعوت دیں وہ پہاڑوں میں سیاحت کرنے لگے اور ان میں رہبانیت کو پالیا یہی وہ جماعت ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ رَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا جو مجھ پر ایمان لایا، میری پیروی کی اور میری تصدیق کی اس نے اس کی رعایت کی جس طرح رعایت کرنے کا حق تھا اور جو مجھ پر ایمان نہ لایا تو وہ فاسق ہے یعنی جس نے یہودیت اور نصرانیت کو اپنایا''۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا اور آپ پر ایمان نہ لائے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔ آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی ہے۔ یعنی پہلے لوگوں نے کفر پر اصرار کیا اس لیے اپنے زمانہ کے لوگوں پر تعجب نہ کیجئے اگر وہ کفر پر اصرار کریں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

''اے ایمان والو! تم ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور (سچے دل سے) ایمان لے آؤ اس کے رسول (مقبول) پر اللہ تعالیٰ تمہیں عطا فرمائے گا دو حصے اپنی رحمت سے اور بنا دے گا تمہارے لیے ایک نور جس کی روشنی میں تم چلو گے اور بخش دے گا تمہیں، اور اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے (تم پر یہ خصوصی کرم اس لیے کیا) تاکہ جان لیں اہل کتاب کہ ان کا کوئی قابو نہیں اللہ تعالیٰ کے فضل (وکرم) پر اور یہ کہ فضل تو اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے، نوازتا ہے اس سے جس کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے''۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا یعنی جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان لائے۔ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ رسول سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ تمہیں دوگنا اجر دیا جائے گا کیونکہ تم حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد علیہما الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے ہو یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا (القصص: 54) اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ کفل کا معنی حصہ ہے۔ سورۂ نساء میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ اصل میں اس کا معنی ایسا کمبل یا چادر ہے سوار جس کو اونٹ کی کوہان لپیٹ لیتا ہے جو اسے گرنے سے بچاتی ہے؛ یہ ابن جریج کا نقطہ نظر ہے۔ کیا اس سے مراد وہ چادر ہے جسے سوار اونٹ کی کوہان کے اردگرد لپیٹ لیتا ہے جب وہ اس کی کوہان کی پچھلی جانب بیٹھتا ہے تاکہ وہ نہ گرے؟ اس کا معنی ہے وہ تمہیں دو حصے دے گا وہ دونوں حصے تمہیں معاصی کی ہلاکت سے محفوظ رکھیں گے

جس طرح کفل (چادر) سوار کی حفاظت کرتی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے کہا: کفلین کا معنی حبشہ کی زبان میں دوگنا ہے۔ حضرت ابن زید سے مروی ہے: کفلین سے مراد دنیا و آخرت کا اجر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب یہ آیت اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا (القصص:54) نازل ہوئی تو اہل کتاب کے مومنوں نے نبی کریم ﷺ کے صحابہ پر فخر کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ ایک نیکی کا اجر ایک مثل ہی ہوگا۔ کہا: حسنہ عام اسم ہے اس کا صدق ایمان کی ہر نوع پر آئے گا اور اسے عموم پر ہی بولا جائے گا۔ جب حسنہ کا لفظ ایک نوع پر بولا جائے تو اس پر ثواب بھی ایک مثل ہی ہوگا۔ اگر ایسی نیکی پر بولا جائے جو دونوں پر مشتمل ہو تو اس پر ثواب دو مثل ہوگا؛ اس کی دلیل یہ آیت ہے کیونکہ فرمایا: كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ اور کفل کا معنی نصیب ہے جس طرح مثل ہوتا ہے۔ جو آدمی متقی ہوا اور اس کے رسول پر ایمان لایا اس کے لیے دو حصے ہیں ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کی وجہ سے اور ایک حصہ اس کے رسول پر ایمان کے باعث ہے۔ اس چیز نے اس امر پر دلالت کی کہ وہ نیکی جس کا اجر دس گنا بنایا گیا ہے وہ نیکی کی دس انواع کو جامع ہے وہ ایمان ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی صفت میں دس انواع کو جمع کیا ہے؛ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ (الاحزاب:35) یہ دس انواع جس کا ثواب ان کی مثل ہے تو یہ نوع کے بدلے میں ایک مثل ہوئی۔ یہ تاویل فاسد ہے کیونکہ یہ ظاہر کلام سے خارج ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (الانعام:160) عموم کی تخصیص اس کا احتمال نہیں رکھتی، کیونکہ جو دس نیکیوں کو جامع ہو تو ہر نیکی کو اس کی مثل ہی بدلہ دیا جائے گا تو اس سے یہ امر باطل ہو گیا کہ ایک نیکی کا بدلہ دس گنا ہو جب کہ اخبار اس پر دال ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اگر معاملہ اس طرح ہو جس طرح ذکر کیا گیا ہے تو حسنہ اور سیئہ میں کوئی فرق نہ ہو۔

وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا، نور سے مراد بیان اور ھدیٰ ہے؛ یہ مجاہد سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: اس سے مراد قرآن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ضیاء ہے۔

تَمْشُوْنَ بِهٖ جس کی روشنی میں تم آخرت میں پل صراط پر سے گزرو گے اور قیامت کے روز جنت کی طرف جاؤ گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس کی روشنی میں تم لوگوں میں چلو پھرو گے۔ انہیں اسلام کی طرف دعوت دو گے تو تم دین اسلام میں لوگوں کے رؤساء بن جاؤ گے تو تم سے وہ ریاست زائل نہ ہوگی جس میں تم ہو گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں یہ خوف لاحق ہوا تھا کہ اگر وہ حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائے تو ان کی ریاست ختم ہو جائے گی۔ اصل میں ان سے وہ رشوت ختم ہوتی تھی جو وہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں تحریف کر کے کمزور لوگوں سے حاصل کرتے تھے دین میں حقیقی سرداری ختم نہیں ہوتی تھی۔ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ تعالیٰ تمہارے گناہ بخش دے گا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ تا کہ اہل کتاب جان لیں۔ ان لا زائدہ ہے تاکید کا فائدہ دے رہا ہے؛ یہ اخفش کا قول ہے۔ فراء نے کہا: معنی ہے کہ وہ جان لیں۔ لا ہر اس کلام میں زائد ہوتا ہے جس پر لام جحد داخل ہو۔ قتادہ نے کہا: اہل کتاب نے مسلمانوں سے حسد کیا تو یہ آیت نازل ہوئی لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ معنی ہے تا کہ اہل کتاب جان لیں۔

اَلَّا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ اَنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ مجاہد نے کہا: یہودیوں نے کہا قریب ہے کہ ہم میں سے ایک ایسا نبی ظاہر ہو جو ہاتھ پاؤں کاٹے، جب اس نبی کا ظہور عربوں میں ہوا تو انہوں نے اس نبی کا انکار کر دیا تو یہ آیت نازل ہوئی لِّئَلَّا یَعْلَمَ تا کہ اہل کتاب جان لیں کہ وہ اس پر قادر نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْهِمْ قَوْلًا (طٰہٰ:89) حضرت حسن بصری سے یہ قرأت منقول ہے لِیَلَّا یَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ؛ یہ مجاہد سے روایت مروی ہے۔ قطرب نے لام کے کسرہ اور یاء کے سکون کے ساتھ روایت نقل کی ہے اور جر کو فتحہ دینا یہ عام لغت ہے یاء کو ساکن کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا ہمزہ حذف کر دیا گیا ہے تو وہ لنا بن گیا تو نون کو لام میں مدغم کر دیا گیا تو وہ للا بن گیا جب تین لام جمع ہو گئے تو درمیانی لام کو یاء سے بدل دیا گیا مگر مشہور لغت میں لام کو باقی رکھا گیا تو وہ اس توجیہ سے اقوی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: لکیلا یعلم۔ حطان بن عبداللہ سے مروی ہے لأن یعلم۔ عکرمہ سے مروی ہے: لیعلم۔ یہ مصحف میں جو لکھا گیا ہے اس کے خلاف ہے۔

مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ، فَضْلِ اللّٰهِ سے مراد اسلام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ثواب ہے۔ کلبی نے کہا: مراد رزق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں وَ اَنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کا فضل اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے ان کے قبضہ قدرت میں نہیں کہ وہ نبوت کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی طرف پھیر دیں جسے وہ پسند کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ اسی کا ہے یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ جسے چاہے عطا فرمائے۔ بخاری شریف میں ہے حکم بن نافع، شعیب سے وہ زہری سے وہ سالم بن عبداللہ سے وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا جب کہ آپ منبر پر کھڑے تھے: ''تم سے قبل جو امتیں گزری ہیں ان کے مقابلہ میں تمہاری بقا اس قدر ہے جس قدر عصر کی نماز سے سورج غروب ہوتا ہے، اہل تورات کو تورات دی گئی انہوں نے اس پر عمل کیا یہاں تک کہ دن نصف تک پہنچ گیا پھر وہ عاجز آ گئے تو انہیں ایک ایک قیراط دیا گیا پھر اہل انجیل کو انجیل دی گئی تو انہوں نے اس پر عصر کی نماز کے وقت تک عمل کیا پھر وہ عاجز آ گئے تو انہیں ایک ایک قیراط دیا گیا پھر تمہیں قرآن دیا گیا تو تم نے اس پر سورج کے غروب ہونے تک عمل کیا تو تمہیں دو دو قیراط دیئے گئے۔ تورات والوں نے کہا: اے اللہ! یہ عمل کے اعتبار سے کم اور اجر کے اعتبار سے زیادہ ہیں۔ فرمایا: کیا میں نے تمہارے اجر میں کوئی کمی کی ہے۔ عرض کی: نہیں تو فرمایا: یہ میرا فضل ہے جسے چاہوں میں دوں''۔ ایک روایت میں ہے: ''یہودی اور نصرانی غضبناک ہو گئے عرض کی: اے ہمارے رب!'' وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۲۱﴾ اللہ تعالیٰ فضل عظیم والا ہے۔